معلم انسانیت

کا

نظام تعلیم وتربیت

مجیب الرحمٰن عتیق ندوی

ناظم تعلیمات، دار العلوم امام ربانی - نیرل

معلم انسانیت کا نظام تعلیم وتربیت

مجیب الرحمٰن عتیق ندوی

ناظم تعلیمات،

دارالعلوم امام ربانی - نیرل

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ)

طبع اول ۲۰۱۷ء

نام کتاب : معلم انسانیت کا نظام تعلیم

نام مؤلف: مجیب الرحمٰن عتیق ندوی

صفحات : 118

تعداد اشاعت: ایک ہزار

طباعت : نعمانی پرنٹنگ پریس، لکھنؤ

قیمت : -/150

ناشر :

Mujeebur Rehman Ateeq Nadwi

Contact: 9897971203, 8412050397

Email: mujeeb_ateeq@hotmail.com

ملنے کے پتے

۱۔ نعمانی اکیڈمی، نیرل، مہاراشٹر

۲۔ الفرقان بک ڈپو، لکھنو

۳۔ مدینہ بک ڈپو، سنبھل

۴۔ مکتبہ شباب، شباب مارکیٹ، لکھنؤ

۵۔ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فہرست مضامین

۱	مقدمہ	:	حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی، مدظلہ	۷
۲	پیش لفظ	:	ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی	۱۰
۳	عرض مؤلف	:	مجیب الرحمٰن عتیق ندوی	۱۷
۴	حرف ابتداء			۲۱
۵	اسلام کا نظریۂ علم			۲۲
۶	تعلیم وتعلم کے فضائل اور مقصد			۲۸
۷	وحدت تعلیم کا تصور			۳۰
۸	علوم کی مختلف قسمیں اوران کا حکم			۳۱
۹	نظامِ تعلیم کی اہمیت اور زندگی پر اس کا اثر			۳۵
۱۰	یورپ اور اس پر اسلام کا اثر			۳۷
۱۱	تعلیمی انقلاب کی دستک			۳۹
۱۲	عہدِ نبوی کا نظامِ تعلیم			۴۱
۱۳	تعلیم انسان کی بنیادی ضرورت			۴۳
۱۴	مدرسہ نبوت میں تعلیم کا طریقہ کار			۴۶
۱۵	درسگاہ نبوت کا نظم وانتظام			۴۸
۱۶	علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے			۴۹
۱۷	بچپن کی تعلیم وتربیت اور سرپرستوں کی ذمہ داری			۵۲

۱۸	فرض کفایہ علم کے بعد ذوق ومزاج کے مطابق علم کا حصول	۶۰
۱۹	پہلا اسلامی مدرسہ دارارقم	۶۳
۲۰	دوسرا اسلامی مدرسہ صفہ نبوی	۶۵
۲۱	طلبائے صفہ کا شوقِ علم	۶۶
۲۲	مدرسہ نبوت کا طریقۂ درس وتدریس	۶۸
۲۳	طالبان علم کا استقبال اور خوش اخلاقی	۶۸
۲۴	عہدِ نبوی میں کلاس کا وقت	۶۹
۲۵	کلاس میں بیٹھنے کے آداب	۷۰
۲۶	تعطیل اور انٹرول کا نظام	۷۱
۲۷	مدرسہ سے چھٹی کے بعد گھر والوں کو تعلیم دینا	۷۲
۲۸	تعلیم نسواں کا نظام	۷۴
۲۹	عہد نبوی میں فن طب اور خواتین کی خدمات	۷۷
۳۰	عہد نبوی میں خواتین کا شوق وشغف	۷۸
۳۱	اہل علم کی ذمہ داری اور عوام کا فرض	۸۰
۳۲	حضور ﷺ معلم کامل	۸۱
۳۳	معلم کے لئے ظاہری وضع کا اہتمام اور اسوۂ حسنہ	۸۲
۳۴	معلم انسانیت کا طرز تدریس اور اسلوب درس	۸۴
۳۵	عملی طریقہ تعلیم وتربیت:(Practically method)	۸۵
۳۶	باہم گفتگو اور سوال وجواب کے ذریعہ طرز تعلیم	۸۶
۳۷	معلم انسانیت کا اسوہ حسنہ اور اخلاق وکردار	۹۰
۳۸	تعلیم میں تدریجی مراحل کا لحاظ	۹۲

۳۹	امتحان وجائزہ	۹۵
۴۰	معلم انسانیت کے بیٹھنے کی ہیئت	۹۶
۴۱	توضیحی وسائل کا استعمال	۹۷
۴۲	حرکات وسکنات(Body Language) کا استعمال	۱۰۰
۴۳	استاد کیلئے ہدایت	۱۰۱
۴۴	استاد کے تعلق سے طلباء کو ہدایت	۱۰۲
۴۵	حسب ضرورت تبدیلی نصاب	۱۰۳
۴۶	ہم نصابی سرگرمیاں	۱۰۶
۴۷	صحابہ کا ذوق اشاعت علم	۱۰۸
۴۸	نبوی نظام تعلیم کی خصوصیات	۱۰۹
۴۹	ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا	۱۱۴
۵۰	کچھ گذارشات اور کرنے کے کام	۱۱۵

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ العالی

باسمہ تعالیٰ

'معلم انسانیت کا نظام تعلیم وتربیت' ایک بہت بڑے وسیع وعریض موضوع کا عنوان ہے، کتب احادیث اس کے نصوص سے بھری ہوئی ہیں، بلکہ حدیثوں کے جتنے بھی مجموعے عہد نبوی سے آج تک مرتب کئے گئے ہیں وہ دراصل اسی نظام تعلیم وتربیت کا مواد ہے، جس کو الگ الگ ترتیب سے محدثین نے مرتب کردیا ہے، کسی نے صحابہ کرام کے مجموعہائے احادیث کا ان کے ناموں سے تذکرہ کیا ہے، اور ایسی کتابوں کو مسند کے نام سے یاد کیا ہے، کسی نے فقہائے کرام کی فقہی کتابوں کی ترتیب کو پیش نظر رکھا ہے، اور فقہی ابواب کو عنوان بنا کر احادیث کا انتخاب پیش کردیا ہے، کسی نے اور کسی ترتیب سے ان کو جمع کیا ہے، یہ جو کچھ بھی مواد ہے، مدرسہ نبوی کے نصابی موضوعات کا مواد ہے، اس میں ایمان وعقائد کی بحثوں سے عبادات اور معاشرتی مسائل اور حسن اخلاق وبہتر آپسی تعلقات کے موضوعات بھی ہیں، اور انفرادی' خاندانی' اجتماعی اور ملی مسائل کی بحثیں بھی ہیں، مالیاتی معاملات کا بڑا متنوع اور تفصیلی موضوع بھی ہے۔ یعنی Administeration، Social Behaviar، Familylife، personal Affairs، Islamic ecnomic، Business، Commerce، وغیرہ کی فیکلٹیاں (Faculties) بھی موجود ہیں، اسی طرح Law، Medical Science، Security Arrangement، Islamic Politics, Armay، Judges Training، Advocacy، Collage Training and Education، way of Governance، Secretariat

یہ اور اس طرح کے بہت سے موضوعات زیر نصاب رہے ہیں، کتب حدیث اور کتب فقہ کے صرف موضوعات اور عنوانات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ایک انٹرنیشنل یونیورسٹی کے تمام اہم اور بنیادی موضوعات، مدرسہ نبوی کے نصاب میں داخل تھے، رضائے الٰہی اور آخرت

کی کامیابی بنیادی طور پر اس تعلیمی نظام کا مقصود تھی، لیکن اس کے لئے دنیا کی سعادت اور کامیابی ضروری تھی، ظاہر ہے کہ اس کا تعلق ہر ہر فرد سے نہیں تھا، ہر ہر فرد سے پرائمری اور سکنڈری تعلیم یعنی فرض عین علم کا مطالبہ تھا جس کا کورس بہت مختصر (Short) تھا۔ اس کیلئے دس سالہ نصاب تعلیم کی ضرورت نہیں تھی، ہاں امت مسلمہ سے بحیثیت مجموعی اس نظام تعلیم کے ذریعہ ایک عالمی انقلاب مطلوب تھا۔

نظام تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا نظام اتنا جامع تھا کہ دماغ، دل، نفس، روح اور جسم کے عضو عضو کی تربیت، تحفظ، صحت اور ترقی کیلئے جو ۲۴ گھنٹوں کی عملی ترتیب، اور متحرک (Mobile) نظام بنایا گیا تھا، اس میں ناکامی کے امکانات تقریباً معدوم ہو گئے تھے۔ دلچسپی اور اخلاص سے مدرسہ میں داخل ہونے والے طلباء سو فیصد کامیاب ہوتے تھے، اور ان کو Certify کیا جاتا تھا، سند دی جاتی تھی کہ ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' اس نظام تعلیم کے جاری کرنے والے حاکم کائنات نے انہیں سو فیصد پاس کر دیا تھا، وہاں کوئی کاغذی سند نہیں ہوتی تھی، بلکہ پوری زندگی، زندگی کی ہر سرگرمی اس کی عملی دلیل ہوتی تھی کہ مدرسہ کے طلباء سو فیصد کامیاب ہیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جن طلباء نے اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کی، انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں نہ صرف جزیرۃ العرب میں، بلکہ دنیا کی دو سپر پاورس۔ پرشین امپائر اور رومن امپائر میں بے مثال عظیم الشان اور تاریخ ساز ہمہ گیر انقلاب برپا کیا۔ جس نے حالات کا دھارا موڑ دیا، اس انقلاب نے مدرسہ نبوی کے تمام موضوعات کے ماہرین کی ٹیمیں پوری دنیا میں پھیلا دیں، دنیا کا یہ دور بالخصوص یوروپ کا یہ دور Dark Ages کا تھا، جہل، جاہلیت اور ظلم کا دور دورہ تھا، اس دور زوال وانحطاط میں مکی، مدنی مدرسہ کے فارغین نے پوری دنیا میں علم، عمل اور عدل وانصاف کا ایک کامیاب اور طاقتور نظام قائم کر دیا۔ جو بارہ سو، تیرہ سو سال تک دنیا کے اکثر خطوں میں مسلسل اپنی انفرادیت کے ساتھ کام کرتا رہا۔

مسلمانوں کے دور انحطاط سے جب کہ ان کا اس علم سے رشتہ کمزور پڑ گیا تھا، اور اس کی عملی شکلیں مفقود سی ہو گئیں تھیں، اور گویا دور جاہلیت ان میں واپس آ گیا تھا۔ انہیں کے شاگردوں، اور انہیں سے میراث علم پانے والے یورپین نے ان کے انحطاط وزوال سے فائدہ

اٹھاتے ہوئے ان پر پے در پے حملے کر کے ان پر اسی علم کے ذریعہ غلبہ حاصل کر لیا، جس کو کل انہیں کے حلقوں میں بیٹھ کر سیکھا تھا، دوسری طرف مایوسی، ردعمل، تشنج، اور ماضی پر فخر وغرور کی نفسیات نے جو طریقہ ہائے کار مقابلہ کے اختیار کیے وہ سب نا کام ہوتے چلے گئے، انہوں نے عہد اول، عہد نبوی سے جو سیکھا تھا، اس کی طرف واپسی کے بجائے، افسوس کہ ادھر ادھر کے نا کام تجربے کیے، اور دشمن نے انہیں اس کا موقع ہی نہ دیا کہ وہ صحیح تیاری کر سکتے، آج تک پورے عالم اسلام میں تفصیلی طور پر حقائق واضح ہو جانے کے باوجود دشمنوں کے بٹھائے ہوئے حکمراں امت مسلمہ کو اس دور کی بازیافت نہیں کرنے دے رہے ہیں، یہ ایک تلخ حقیقت ہے، اب اگر کچھ امید ہے تو امت کی آزاد، انفرادی اور اجتماعی کوششوں سے ہی ہے، اس سلسلہ میں علمی اور عملی کوششوں سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ برادر عزیز مولوی مجیب الرحمان سلمہ کو اللہ تعالیٰ نے نور بصیرت عطا فرمایا ہے، قریبی دور کے فارغین مدارس، اور نوجوان علماء میں وہ بہت ممتاز ہیں، ان کو علم میں رسوخ حاصل ہے۔ اور زبان وقلم کی فصاحت و بلاغت بھی، وہ دین وشریعت کے مقاصد سمجھتے ہیں اور حالات حاضرہ پر اچھی نگاہ رکھتے ہیں۔ اور اظہار حق کیلئے وہ بیباکی رکھتے ہیں، جس کا اس دور میں لگتا ہے کہ چلن ختم ہو گیا ہے، آج کے سلگتے مسائل پر ان کے قلم سے مدلل اور شعلہ بار تحریریں نکلی ہیں، تعلیم کے موضوع پر بھی یہ تحریر چشم کشا، بصیرت افروز، انقلابی تحریر ہے، اس پر پیش لفظ بھی ایک صاحب علم، دانشور، فکر اسلامی کے علمبردار اور کامیاب صحافی ڈاکٹر طارق ایوبی کا ہے، دونوں سے میری برادرانہ درخواست ہے کہ اس نظام تعلیمی کو برپا کرنے کیلئے، اپنے اور ساتھیوں کو جوڑیں، اور کسی بھی خطہ زمین پر اسکا کامیاب تجربہ کرنے کیلئے اپنی تمام صلاحیتیں وقف کر دیں۔ کیا بعید ہے کہ وہ پندرہویں صدی کو پہلی صدی سے جوڑنے کا کام کر سکیں، اور نبی کریم ﷺ کی خوشخبریوں کے مستحق ہوں۔

سلمان الحسینی

۲۹ر نومبر ۲۰۱۷ء

پیش لفظ

ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی

تعلیم ایک انتہائی سنجیدہ موضوع ہے، کسی بھی انسان کی زندگی تعلیم کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی، تعلیم وتربیت ہی سے انسان انسان بن سکتا ہے اور اسی کے نقص سے انسان بدترین اور درندہ صفت حیوان بن سکتا ہے، ایک خواندہ اور ناخواندہ میں وہی فرق ہے جو ایک بینا و نابینا میں ہے، یہی وجہ ہے کہ دین اسلام کی بنیاد ''پڑھو'' پر رکھی گئی، اور پڑھنے کے حکم کے ساتھ ہی اسلام کے نظریۂ تعلیم کو واضح کر دیا گیا، پڑھنے کا حکم رب کے نام سے جوڑ دیا گیا اور کیا پڑھنا ہے اسے محذوف رکھا گیا، اگرچہ اس کی تشریح قرآن مجید میں جابجا کی گئی لیکن یہاں یہ انداز اختیار کر کے غور وفکر کی نئی راہیں کھول دی گئیں، مسلمانوں نے اس حکم کی مراد ومقصد اور اس کے ہدف وغایت کو سمجھا اور نبی آخرالزماں ﷺ کے ذریعہ برپا کی گئی تعلیمی تحریک میں منہمک ہو گئے، سب سے پہلے انھوں نے قرآن مجید کی تعلیم کے حصول کو اولیت دی، بعثت محمدی کے بعد ایک عرصہ تک یہی سلسلہ چلتا رہا، حتی کہ پھر حضور ﷺ کی احادیث کی بھی باضابطہ تعلیم وتحفیظ وکتابت کا سلسلہ شروع ہوا، ضرورت اور تقاضوں کے پیش نظر دیگر زبانوں اور علوم وفنون کی طرف بھی توجہ کی گئی، اس طرح ایک ایسی جامعیت تلامذۂ رسول ﷺ کا خاصہ بن گئی جس کی مثال دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے، آج دنیا نے بڑی ترقی کر لی ہے، نت نئے قوانین وضع کیے جاتے ہیں، نئے نئے کورسیز متعارف کرائے جا رہے ہیں، لیکن قابل غور ہے کہ خود مستشرقین اور مسیحی مورخین نے باوجود اپنے شدید تعصب اور ''بال میں کھال نکالنے کی عادت'' کے جس طرح حضرات صحابہؓ کے نظام حکومت، ان کے وضع کردہ قوانین، ان کے مالی نظام، ان کے مارکیٹ اور ان کے عدالتی نظام، ان کے عہد کے نظام مواصلات اور قانون سازی کا اعتراف کیا ہے، اور اس وضاحت کے ساتھ کیا ہے کہ اس دور حکومت میں دنیا نے جس نظام کا مشاہدہ کیا اور امن وسکون کی جو مثال قائم ہوئی اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، آخر وہ کون سا نصاب و نظام تھا جس نے ناخواندہ عربوں کو یکا یک جہاں بانی کے راز ہائے سربستہ سکھا دیئے، جس نے ان لوگوں کو جن کے یہاں نہ علم کی اہمیت تھی نہ قلم وقرطاس سے

رشتہ استوار تھا چند سالوں کے بعد خلیفہ، وزیر اعظم، معتمد مالیات، وزیر خزانہ، گورنر جنرل، فوجی کمانڈر، قاضی ومفتی اور امیر وحاکم بنادیا اوران کے ذریعہ مختلف شعبہائے زندگی میں وہ کارنامے انجام پائے جن کو آج کی ترقی یافتہ دنیا کے سامنے بھی اگر پیش کیا جاتا ہے تو وہ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔

اسلام کا نظریۂ علم بہت واضح اور صاف وشفاف ہے، وہ علم وتعلیم کی اولیت کا قائل ہے، اس نے زندگی گزارنے کے لیے جس قدر علم کی ضرورت پڑے اس کے حصول کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ہے، تذکیر وتعلیم اور رشد وہدایت کے لیے اس نے عام مطالبہ ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر میں کیا، البتہ خاص طور پر انسانی برادری کی رہنمائی ورہبری کرنے کے لیے، قرآن کی آفاقیت کی تشریح کرنے کے لیے، دنیا کو قرآن کے علوم ومعارف اور مطالبات وتقاضوں سے واقف کرانے کے لیے ہر زمانہ اور ہر جگہ، ہر طبقہ کے لوگوں کے سامنے ''شہادت علی الحق'' کے فریضہ کی انجام دہی کے لیے ''تفقہ فی الدین'' کی دعوت دی ہے، اس نے علم میں جدید وقدیم اور اسلامی وغیر اسلامی کی قطعی کوئی تفریق نہیں کی، بلکہ انسانوں کے لیے جو علم بھی نفع بخش ومفید ہو اسے حاصل کرنے کی ضرورت پر زور دیا، وأعدوا لھم مااستطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل جس کا مقصد ترھبون بہ عدوا اللہ وعدوکم قرار دیا گیا، اگر'' من قوۃ ''اور''من رباط الخیل'' کے تنوع، وسعت، تغیر اور اہمیت وضرورت کو سمجھ لیا جائے تو شاید علوم وفنون کی وحدانیت وضرورت اور اہمیت واضح ہو جائے، اسلامی نقطۂ نظر سے تقسیم نافع وغیر نافع کی ہے، یہی قرآن وسنت اور سیرت نبوی سے مستفاد ہے، جس کے دلائل کا یہ موقع نہیں، اس کے علاوہ کوئی تقسیم روا نہیں، البتہ علوم واصناف کی اقسام ہر جگہ اور ہر زمانے میں معروف ومسلم رہی ہیں، لیکن ان کا مقصد کبھی بھی تقسیم اور عہد حاضر کی بے جا واحمقانہ اور ہٹ دھرمی پر مبنی تقسیم نہیں رہا، جملہ اقسام علوم کو سامنے رکھیے تو ہر دور میں قرآن وحدیث کے علم کو سب پر فوقیت دی گئی، ان کی ابتدائی اور ضروری تعلیم ہر فرد کو دی جاتی رہی اور پھر مرحلہ اختصاص میں اس کو موضوع بنایا جاتا رہا، نافع وغیر نافع کی یہ تقسیم مسلمانوں کے پیش نظر ہر دور میں رہی، ممکن ہے ہمارے یہاں رائج تقسیم اور غلط نظام مسلمانوں کی تاریخ میں کبھی نہیں پایا جاتا، بالخصوص مسلمانوں کا عروج اس سے یکسر مبرا ہے، حکیم

مشرق نے اس امر کی خوب تشریح کی ہے۔

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ املاک بھی اولاد بھی جاگیر بھی فتنہ
ناحق کے لیے اٹھے تو شمشیر بھی فتنہ شمشیر ہی کیا نعرۂ تکبیر بھی فتنہ

اسلام کے نظریۂ علم میں وسعت کے ساتھ جامعیت ہے، گہرائی ہے، وحدانیت کے ساتھ تنوع ہے، اہل علم کی قدر و منزلت ہے، مختلف النوع علوم وفنون کی ضرورت و اہمیت کی وضاحت کی گئی ہے، تعلیم کو انقلابی تحریک کی شکل دینا اسلام کا وصف امتیازی ہے، جس میں دنیا کا کوئی دوسرا مذہب شریک نہیں، وہ جس قدر حصول علم پر زور دیتا ہے اسی قدر تمام علوم نافعہ کے حصول کا مطالبہ کرتا ہے اور علم کی تبلیغ، ترویج و اشاعت اور شرح خواندگی کو بڑھانے کی پرزور حمایت کرتا ہے، اسلام کے نظریۂ علم و تعلیم کی تعبیرات قرآن مجید میں موجود ہیں اور اس کی کامل و مکمل تشریح حضور ﷺ کی سیرت طیبہ میں دیکھی جاسکتی ہیں، متعدد اہل قلم نے عہد نبوی کے نظام تعلیم و تربیت کو موضوع بحث بنایا ہے اور اپنی علمی تحقیقات پیش کی ہیں، اب اسی موضوع پر سو صفحات پر مشتمل یہ رسالہ فاضل گرامی قدر مولانا مجیب الرحمٰن عتیق ندوی نے تصنیف کیا ہے، اس موضوع پر پہلے سے موجود مقالات و رسائل کے ہوتے ہوئے بھی اس کتاب کی اہمیت کو جسے ہم نے دوران مطالعہ محسوس کیا یوں بیان کر سکتے ہیں کہ فاضل مصنف نے گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے، حسن ترتیب کے ساتھ، علمی انداز پیشکش کے باوجود اسلوب میں ادبیت کی آمیزش نے کتاب کے لطف کو دوبالا کر دیا ہے، مجیب صاحب ہم سے ایک سال سینئر ہیں اور میرے ان سے اچھے دوستانہ مراسم ہیں، لیکن مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ وہ علم و فضل میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں، ان کی وسعت مطالعہ، ان کی بصیرت اور ان کے عمق فکر کا اندازہ قارئین اس کتاب کے مطالعہ سے بخوبی کر پائیں گے، مصنف کتاب کو قدیم مراجع سے شغف رہا ہے، تفسیر و حدیث ان کی دلچسپی کے موضوعات رہے ہیں، ندویت نے ان میں براہ راست استفادہ کا شوق بدرجہ اتم جگایا ہے، ندوے سے فراغت کے بعد وہ جس شخصیت کے زیر تربیت رہے ہیں اس کی اجتہادی شان نے مجیب صاحب کو بھی جمود و تعطل سے بغاوت سکھائی ہے، قارئین اس کتاب میں

ان کے مجتہدانہ ذہن، اخاذ طبیعت اور قوت استدلال کو اچھی طرح محسوس کرسکیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ تعلیم اگر کسی قوم کے لیے اس کی ریڑھ کی ہڈی ہے تو نصاب تعلیم اس کی وہ اساس ہے جس پر پوری قوم وملت اور ملک کے مستقبل کا انحصار ہے، جیسا نصاب پڑھایا جائے گا اور جیسا نظام تعلیم رائج کیا جائے گا ویسے ہی افراد تیار ہوں گے، آج کی سسکتی انسانیت، ٹوٹے پھوٹے خاندان، بکھرتے رشتے، قتل وخون کی داستانیں، شریف اور اقدار پسند اور دیندار لوگوں کی بے بسی، تجارت، معیشت حتی کہ میڈیکل تک میں پروفیشنلزام اور کمرشیل ذہنیت کا وجود اسی نصاب ونظام تعلیم کا نتیجہ ہے جو غلط اور بے بنیاد تقسیم کے سبب ہمارے زوال کا سبب بن چکا ہے، اور جس سے نجات مستقبل قریب میں ممکن نظر نہیں آتی، جبکہ اس سے نجات کے بغیر مقدر کا سنورنا بھی یکسر ممکن نہیں، ہمارے یہاں جس طرح دو دھاروں میں تعلیم تقسیم ہوگئی اس کے نتیجہ میں دین ودنیا کے جامع دین اور اس پر عمل میں تقسیم صاف نظر آتی ہے، جو دین کا صحیح فہم وشعور رکھتا ہے اسکے ہاتھ میں زمام حکومت ونظام حکومت تو چھوڑیئے معاشرہ بھی نہیں اور جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے وہ دین بیزار، دینی فہم سے نابلد، ملی شعور سے ناواقف ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دینداروں اور دنیاداروں میں ایک عجیب خلیج ہے جو مسلسل معاشرے کے اضطراب اور ذہنی وفکری کشمکش کی شکل اختیار کرگئی ہے، ندوۃ العلماء نے اس خلیج کو پاٹنے کا بیڑا ضرور اٹھایا تھا لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس کو جزوی کامیابیوں کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ لگا، خود مولانا علی میاںؒ کی تحریریں اس کی گواہ ہیں کہ معاشرے میں یہ اضطراب اب بھی باقی ہے بلکہ وہ تو نظام تعلیم کے اس تضاد وتقسیم کو ہی ممالک اسلامیہ میں پیدا ہونے والی کشمکش کا اصل سبب شمار کرتے ہیں، دونوں دھاروں کو سامنے رکھیے اور اقبال کی اس تشریح کو پڑھیے اور ان کے اس دوراندیش مشورے پر غور کیجئے ؎

اے پیرحرم ! رسم ورہ خانقہی چھوڑ مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے مغرب نے سکھایا انہیں فن شیشہ گری کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

اقبال کے مشورے قابل غور اور قابل عمل ہیں، اقبال نے مشرق کو قریب سے دیکھا اور برتا پھر مغرب سے بھرپور استفادہ کیا مگر مغرب ان کو مرعوب نہ کرسکا مجھے، وہ مغرب سے آئے تو اپنی خودی کے سبب یہ کہتے ہوئے آئے اور اس طرح مشرق کو پیام زندگی دیا ہے ؎

خیرہ نہ کر سکا مجھے دانشِ جلوۂ فرنگ　　　سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اقبال نے جدید نظام تعلیم کی تباہ کاریوں سے بہت پہلے آگاہ کیا، اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اضطراب، ذہنی انتشار اور فکری ارتداد سے متنبہ کیا، انھوں نے بوریہ نشینوں کو بھی قیمتی مشورے دیے، انھوں نے اس نظام کی کوتاہیوں پر بھی تنقید کی، مغرب سے برآمد کیے گئے نظام پر یوں تبصرہ کیا ؎

اور یہ کلیسا کا نظامِ تعلیم　　　ایک سازش ہے فقط دین مروت کے خلاف

اس کے بڑھتے ہوئے رجحان اور حصول دولت کے تئیں رائج ہوتی ہوئی پروفیشنل تعلیم اور اس کے خطرناک نتائج کے متعلق فرمایا ؎

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم　　　کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

مدرسہ کی طرف نظر کی تو یوں گویا ہوئے ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا　　　اب کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

اور اس طرح شکوہ کیا ہے ؎

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک　　　نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جدید نصاب تعلیم اگر خدا کے تصور، روحانیت اور ذکر معاد سے خالی ہے، اس کا کل مقصد صرف اور صرف ''معزز پیٹ'' کو بھرنا ہے، وہ انسان کو حیوان کا سب بنانے کا آلہ ہے، اس کا نظام شرم وحیا سے عاری اور اخلاق سوزی سے عبارت ہے، تو تقسیم علم کے نتیجہ میں دوسرا جز یکسر زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے سے معذور ہے، دینی مدارس ملک وملت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہیں، حتی کہ وہ حفاظت دین، اشاعت دین، اور دعوت دین کے اپنے بنیادی مقصد کو بھی وقت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے پورا کرنے سے قاصر ہیں،

ان کا مقصد بھی محدود ثابت ہو رہا ہے، اوران کی افادیت کا دائرہ بھی تنگ ہو رہا ہے، نتیجہ جو کچھ ہے وہ سامنے ہے، واقعہ یہ ہے کہ نصاب کو ملک وملت کے تقاضوں کے تابع ہونا چاہیے، تقاضے ایمانی بھی ہیں، روحانی بھی ہیں، مادی بھی ہیں اور انتظامی بھی، اگر نصاب ان تقاضوں کو پورا نہیں کرتا، معاشرے کے رجحانات کی نمائندگی نہیں کرتا، دینی، ایمانی، فکری اور ذہنی ارتقا کا سبب نہیں بنتا، تربیت پر اس طرح توجہ نہیں دیتا جو تعلیم کا لازمی جز ہے، اور جس کے نتیجہ میں ہی انسان اعلی اقدار سے مزین انسان بنتا ہے تو اس کا مطلب وہ نظام مفلوج ومعذور ہے، اسے تبدیل کرنے میں ہی عافیت ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے تمام اضطرابات کی ذمہ داری، ان کے عروج وزوال کا بنیادی سبب نصاب ونظام تعلیم کو قرار دیا جاتا ہے تو یہ اس سے بڑی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم اوران کا نظام ونصاب أفتؤمنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض کی عملی مثال بن چکا ہے، اسکی مشاہداتی تصویر سامنے ہے اور پھر اس بدعملی کے نتیجہ میں وارد وعید سے امت مسلمہ دوچار ہے، اس لیے نصاب کی تدوین اور نظام تعلیم کو از سرنو بدلنے اور اس پر معروضی انداز میں فوری غوروفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

اسی غوروفکراور تبدیلی کے عمل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے فاضل دوست مجیب الرحمٰن ندوی صاحب کے قلم فیض رقم سے ''معلم انسانیت کا نظام تعلیم وتربیت'' نامی رسالہ وجود میں آیا، ظاہر ہے کہ نصاب ونظام تعلیم کا جب بھی معروضی انداز میں جائزہ لیا جائے گا، اوراس کا جدید ڈھانچہ تیار کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اس کو قرآنی نصاب ونظام تعلیم سے ہم آہنگ کرنے کے لیے سیرت نبوی سے رجوع کیا جائے گا اور عہد نبوی کا جائزہ لیا جائے گا، اور فی الحقیقت مسلمانوں کو ایسا ہی کرنا چاہیے اس لیے کہ ان کی ترقی کا راز ماضی کی طرف پلٹنے، اوراپنے ماضی سے رشتہ جوڑنے میں ہی مضمر ہے، وہ جس قدر اپنے ماضی کی طرف بڑھتے جائیں گے ان کا مستقبل سنورتا جائے گا، جس قدر وہ ماضی کے وفادار بنتے جائیں گے اسی قدر دنیا ان سے وفاداریاں استوار کرتی جائے گی۔

فاضل مصنف نے اس جامع ومختصر رسالہ میں عہد نبوی کے نظام ونصاب تعلیم کی جامعیت، کمال، خصوصیات اور تمام فروعی متعلقات کو تقریباً سمیٹ لیا ہے، انھوں نے اس عہد مبارک کے نظم وانتظام، طریقۂ کار، انداز تربیت، ذوق وشوق، وضع وہیئت کا اہتمام، مقصد تعلیم،

تعلیم نسواں کے ساتھ ساتھ حسب ضرورت نصاب تعلیم میں تبدیلی کے عمل پر روشنی ڈالی ہے، آخر میں نبوی نظام تعلیم کی خصوصیات کو انتہائی معجز اسلوب میں بیان کیا ہے اور پھر یہ بھی رہنمائی کی ہے کہ نور نبوت کے اسوۂ تعلیمی کو سامنے رکھ کر ہم کس طرح عملی تطبیق دے سکتے ہیں، کس طرح اس انتہائی اہم اور نازک مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں یقیناً ان کی یہ کتاب جمود کے دروازے پر انقلاب کی دستک ہے، روایتی ذہن کے لیے اس میں غور وفکر کا سامان ہے، مجیب صاحب اس فاضلانہ تصنیف کے لیے صد ہزار شکریہ کے مستحق ہیں، خدا کرے کہ ان کی یہ کوشش نئی صبح کے طلوع کا نقطۂ آغاز ثابت ہو، اللہ کرے کہ ان کے سیال قلم سے اسی طرح علمی وفکری انتاجات منظر عام پر آتے رہیں، ہمیں ان سے اس سے زیادہ اور بہت زیادہ کی امید ہے، ہم انھیں قریب سے جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ بہ توفیق الٰہی وہ اس دور انحطاط میں بھی اپنے قلم سے اسلاف کی یاد تازہ کر سکتے ہیں، اللہ انھیں اس سعادت کے لیے قبول فرمائے اور ہم سب کو دین وملت کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ **تقبل اللہ منا صالح الأعمال ، وما توفیقی إلا باللہ علیه توکلت وإلیه أنیب .**

ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

مدیر ماہنامہ ندائے اعتدال

مدرسۃ العلوم الاسلامیہ، علی گڑھ

۲۰/۱۱/۱۷ء

عرض مؤلف

اسلام دنیائے انسانیت کا وہ مذہب ہے جس کا موضوع انسان کی اصلاح وہدایت ہے،اس کا ہدف قافلہ بشریت کو منزل مقصود تک پہنچانا ہے،چنانچہ وہ عقیدہ وعبادت بھی ہے،تجارت وسیاست،تہذیب وتمدن،اخلاق ومعاملات کا محکم نظام بھی،حیات انسانی کا کوئی گوشہ اسلام کی رہنمائی سے خالی نہیں، بلکہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس سے بہتر اور جامع کوئی نظام حیات موجود نہیں،اور کیوں نہ ہو،وہ خالق کائنات کی طرف سے اتارا ہوا ایک فطری نظام ہے،جس کے بارے میں خدا تعالی نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:"**الیوم اکملت لکم دینکم و أتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم اسلام دینا**"ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا،اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دستور حیات پسند کیا ہے،اب ظاہر ہے کہ زندگی کے ہر گوشہ کی رہنمائی اسی کامل ومکمل اور محکم نظام سے ہی حاصل کی جائے گی،قافلہ انسانی کے ہر فرد بشر کو اسی سے تنویر ملے گی،

اسلام صرف ایک نظریۂ حیات ہی نہیں ہے بلکہ وہ تاریخ انسانی کا عظیم انقلاب تھا اور ہے،جس نے انسان کو ہر میدان میں ترقی وکامیابی کی راہ پر گامزن کیا ہے،اسلام کی آمد سے قبل جاہلیت نے پوری انسانیت کو اپنے خوں آشام پنجوں میں جکڑ رکھا تھا،بحر وبر میں فساد ہی فساد تھا،وحشت وجہالت کے اندھیروں میں انبیاء کرام کے لائے ہوئے ادیان کی شمعیں تقریبا گل ہوچکی تھیں،علم وعقائد کا جو کچھ باقی ماندہ سرمایہ تھا وہ بھی انسانی بستیوں سے دور جنگلوں اور ویرانوں میں پناہ لئے ہوئے تھا،یورپ جہالت کدہ تھا،کلیسا نے دیگر علوم وفنون کا کیا تصور خود مذہبی علوم سے بغاوت کررکھی تھی،علم سیکھنا ایک جرم تھا،جس پر موت کی سزا ہوسکتی تھی،پوری مسیحی دنیا صرف پوپ کے رحم وکرم پر قائم تھی،شہنشاہ کے عزل ونصب سے لیکر فرد کے خانگی معاملات پوپ کے ذریعہ طے ہوتے تھے،دنیا کو کوئی خطہ ایسا نہ تھا جہاں لوگ صحیح علم،صحیح تصورات،صحیح طرز زندگی، عدل وانصاف اور اخلاقی قدروں سے واقف ہوں، حدیث نبوی میں اسی صورتحال کی جانب

اشارہ کیا گیا ہے،''**ان اللہ نظر الی أهل الأرض ،فمقتهم ،عربهم وعجمهم**''اللہ نے اہل زمین پر نظر ڈالی، کیا عرب کیا عجم،سب خدا کی ناراضگی کا سامان کیے ہوئے تھے،کوئی صحیح راہ پر نہ تھا،ایسے میں رحمت خداوندی نے انسانیت کی دستگیری فرمائی،اور''**اقرأ باسم ربك الذی خلق** ''کی ندائے ربانی نے خداشناسی اورحق پسندی کی دعوت دی،اسلام نے علم کے صحیح تصور کو عام کیا،تعلیم کی اہمیت سمجھائی،تعلیم وتعلم کے فضائل سے آگاہ کیا،اورمحروم انسانیت کو علم کے راستہ پر گامزن کیا،قرآن مجید نے انسانیت پر خدا کے اس احسان عظیم کو اس طرح یاددلایا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ آل عمران	اللہ نے اہل ایمان پر احسان فرمایا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک پیغمبر کو مبعوث فرمایا،جو ان کے سامنے کتاب الٰہی کی آیات سناتا ہے،ان کا تزکیہ کرتا ہے،انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے،اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے

حضرت محمد ﷺ کی آمد سے انسانیت کے خزاں رسیدہ چمن میں بہار آئی،تلاوت آیات،تزکیہ قلوب،تعلیم کتاب وحکمت،مقاصد نبوت کے یہی وہ عناصر اربعہ ہیں جن کے ذریعہ یہ عظیم انقلاب رونما ہوا،

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اسلام نے اپنے اصلاحی نظام کے ذریعہ ایک زبردست نظام تعلیم کی بنیاد ڈالی،علم کی حقیقی روح سے آشنا کیا،اور یہ حکم دیا کہ علم حاصل کرنا ہر فرد کے لئے ضروری ہے،اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے،معلم انسانیت کے ذریعہ جو عظیم اصلاحی ہمہ گیر انقلاب برپا ہوا اس کے حسین اثرات تاریخ کے صفحات آبرو ہیں،بازنطینی وساسانی دوعظیم شہنشاہیتوں کے خاتمہ کے بعد ان متمدن ملکوں میں کون سا ایسا شعبہ زندگی تھا جس کے افراد نبی آخرالزماں کے تربیت یافتوں میں نہ مل سکے،کیا یہ تاریخ کی زبردست حقیقت نہیں ہے کہ روم وایران کے نظام کو جب اپنے ہاتھ میں لیا تو تہذیب وتمدن کا دعوی کرنے والوں سے زیادہ بہتر اور شاندار طریقہ سے چلا کر دکھایا،عرب کے ان بوریہ نشینوں اور فاقہ مستوں کو کس نے اسرار شہنشاہی

سکھائے تھے؟ ظاہر ہے کہ یہ سب مدرسہ نبوت کا فیض تھا، یہ سب اسی تخم کی نمود تھی جوان کے قلب ودماغ میں محمد عربی ﷺ کے دست بابرکت نے لگایا تھا، یہ سب تعلیم وتربیت کے اس آفاقی تصور کا نتیجہ تھا جو اسلام کا امتیاز ہے۔

آج اگر بالخصوص برصغیر میں اسلامی تعلیم کے اداروں کے ذمہ داروں، اہل فکر و دانش سے سوال کیا جائے کہ اسلام کا نظام تعلیم کیا ہے؟ نبوی منہج تعلیم کیا ہے؟ تو اس کے عملی جواب کے لئے ان کے پاس صرف وہ ادارے ہیں جن میں ایک شخص اٹھ دس سال میں شرعی علوم کے بعض جوانب سے واقف ہوتا ہے، شرعی علوم میں تخصص کرتا ہے، اور عالم ہونے کی سند حاصل کرتا ہے، یہ الگ سوال ہے کہ خود اس کی صلاحیت اس طویل محنت وجد وجہد کے بعد کیا ہوتی ہے؟ وہ ان مقاصد میں کس حد تک کامیاب ہوتا ہے، جو اس سے مطلوب ہیں، وہ زندگی کے کن میدانوں می قیادت ورہنمائی کا فرض انجام دینے کا قابل ہوتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ عوام وخواص باستثناء معدودے یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ دینی مدارس میں ہی اسلامی نظام تعلیم رائج ہے، اور یہی ادارے اسلامی نظام تعلیم کی نمائندگی کرتے ہیں، حالاں کہ وہ اسلامی نظام تعلیم کی کل نمائندگی نہیں بلکہ ایک جزء کی نمائندگی ہے، وہ صرف شرعی علوم کے بعض تخصصات کا ایک نظام ہے، اسلام کے ہمہ گیر آفاقی تصور، اور جامع نظام نبوی کی مکمل ترجمانی نہیں ہے،

اسلام نے ہر شخص کے لئے ایک معتد بہ مقدار میں علم حاصل کرنا ضروری قرار دیا ہے، ہمارے پاس معاشرہ میں موجود تمام شعبوں کے افراد کے لئے ان کے متعلق احکام وفرائض، حلال وحرام، اور شرعی معلومات سکھانے کا کوئی نظام آخر کیوں نہیں ہے، ایک ڈاکٹر، انجینئر، تاجر مسلمان ہوتے ہوئے فرائض، حلال وحرام، عقائد وعبادات اور بنیادی احکام کی معلومات سے مستثنی کیسے ہوسکتا ہے؟ اسلام نے تو ہر ایک کے لئے شرعی بنیادی معلومات حاصل کرنے کو لازمی قرار دیا ہے، اسی طرح اسلام اس کی بیخ کنی کرتا ہے کہ دین الگ اور دنیا الگ ہے، یا یہ کہ دین ودنیا کے نام پر دو الگ متوازی نظام قائم کئے جائیں، دونوں نظاموں کے الگ الگ متوازی ادارے اپنی اپنی خصوصیات کے ساتھ بنائے جائیں، یہ تصور اسلامی کے بنیادی وآفاقی تصور کے خلاف ہے، آج

ضرورت ہے کہ علم اور تعلیم وتربیت کے صحیح اسلامی تصور کا اجاگر کیا جائے ،اس کے خد خال واضح کئے جائیں ،عہد جدید اور کے نظام تعلیم کو''دار ارقم'' اور''صفہ نبوی'' سے ہم آہنگ کیا جائے ،عہد نبوت کی تعلیمی روح اور مقصدیت کو زندہ کرنے کی کوشش کی جائے ،

ہم نے اس مختصر رسالہ میں عہد نبوی کے نظام تعلیم ،تصور وروح ،اور اس کی جامعیت کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے ،بغیر کسی تنقید وتبصرے اور بہت زیادہ تفصیل کے بجائے صرف یہ جائزہ ذکر کیا ہے کہ عہد نبوی نبوی میں کیا نظام وترتیب ،اور کیا منہج واسلوب تھا ،صحابہ میں علم کی مقصدیت وروح کیسی تھی ،تا کہ ہم اپنے موجودہ تعلیمی نظام کو عہد نبوی کے نظام اور اس کے معیار پر پرکھ سکیں ، اور یہ جائزہ لے سکیں کہ ہم عہد اول کے تعلیمی نظام وروح سے کتنے دور ہیں ،

میں انتہائی ممنون ومشکور ہوں اپنے محسن ومشفق استاد گرامی قدر حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ العالی کا جنہوں نے اس ''ٹاٹ'' میں ایک مخملیں فصل کا اضافہ اپنے قیمتی مقدمہ سے فرمایا ہے ،اور اس کتاب کی وقعت وقدر کو دوبالا کیا ہے ،حقیقت یہ ہے کہ مجھے مولانا محترم نے ہی شوق جنوں سکھایا اور پرواز فکر وتخیل عطا کی ہے ،اللہ رب العزت مولانا محترم کو اپنے وسعت کرم کے مطابق اجر جزیل عطا فرمائے ،اسی طرح میں انتہائی ممنون ہوں اپنے فاضل دوست جناب ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی ،مدیر ماہنامہ ندائے اعتدال کا جنہوں نے ایک قیمتی تحریر بطور پیش لفظ عنایت فرمائی ہے ،اور کتاب کی زینت کا مزید سامان فراہم کیا ہے ،اور میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے ،

ہم امید کرتے ہیں کہ یہ مختصر کتاب اہل علم وکر کے لئے غور وتدبر کا ایک سامان ہوگی ، خدا کرے کہ عصر جدید کی رعنائی وحسن عہد اول کے نظام وروح ،قوت وفکر سے آشنا ہو جائے ،اور اللہ کرے کہ یہ کاوش اس کی بارگاہ میں شرف قبول حاصل کرے ، وصلی اللہ علی النبی الأمی الکریم ،

مجیب الرحمٰن عتیق ندوی
دار العلوم امام ربانی ۔ نیرل

۱۷ربیع الاول ۱۴۳۹ھ مطابق ۷ردسمبر ۲۰۱۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معلم انسانیت کا نظام تعلیم

حرف ابتداء

علم حاصل کرنا ہر انسان خواہ مرد ہو یا عورت، امیر ہو یا غریب سب کی بنیادی ضرورت ہے، تعلیم وتعلم ہی انسان کا زیور اور اس کا مابہ الامتیاز ہے، تعلیم انسان کو شعور وآگہی فراہم کرتی ہے، زمین کی پستیوں اور حیوانی جبلتوں سے نکال کر آسمان کی بلندیاں اور ملکوتی صفات عطا کرتی ہے، انسانی زندگی میں تعلیم کی ضرورت واہمیت ایک مسلم حقیقت ہے، تعلیم ہی انسان اور حیوان میں فرق کرتی ہے، وہی انسان کی فضیلت وشرف کا معیار ہے، حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں کیا خوب کہا ہے:

فالانسان انسان بما هو شريف لاجله، وليس ذلك بقوة شخصه، فان الجمل أقوى منه، ولا بعظمه، فان الفيل أعظم منه، ولا بشجاعته، فان السبع أشجع منه، ولا بأكله فان الثور أعظم بطنا منه، ولا ليجامع، فان أخس العصافير أقوى على السفاد منه"	انسان اپنی اسی خصوصیت وشناخت کی وجہ سے انسان ہے جو اس کا معیار شرافت ہے، اس کا معیار فضیلت جسمانی قوت نہیں ہے، اس لحاظ سے تو اونٹ انسان سے طاقتور ہے، نہ انسان کا معیار شرف دیو قامت ہونا ہے، اس لحاظ سے ہاتھی اس سے بڑا ہے، نہ شجاعت وبہادری انسان کا وصف کمال ہے، کیوں کہ درندے اس سے زیادہ بہادر ہیں، نہ زیادہ کھانا معیار ہے، کیوں کہ بیل انسان سے زیادہ کھا سکتا ہے، اور نہ قوت مجامعت انسان کا معیار ہے، اس لئے کہ معمولی پرندہ انسان سے زیادہ اس کی طاقت رکھتا ہے
احياء العلوم ۱/ ۲۹	

امام غزالیؒ نے ہی مزید اپنی مذکورہ کتاب میں آگے فرمایا ہے:

غـذاء الـقلب العلم والحكمة،وبهما حيـاتـه، كـمـا أن غـذاء الجسد الـطـعـام،ومـن فـقـد العلم فقلبه مريض وموته لازم

دل کی غذا علم ودانشمندی ہے،انہیں دونوں سے دل کی زندگی قائم ہے، جیسے جسم کی غذا کھانا پینا ہے، جو علم سے محروم ہے،اس کا دل بیمار ہے،اس کی موت یقینی ہے"

(احیاء العلوم ۱/۳۰)

علم کی اہمیت اور تعلیم وتعلم کی ضرورت وافادیت محتاج بیان نہیں ہے، یہی افراد وقوموں کی ترقی کی اساس وبنیاد ہے،اسی لئے اسلام نے اس امر پر خصوصی توجہ وعنایت مبذول کی ہے،علم کی قدر ومنزلت کو بیان کیا ہے،تعلیم وتعلم کے فضائل بیان کئے ہیں،اس کے آداب ذکر کئے ہیں، دنیاوآخرت میں علم کے فوائد تعلیم وتعلم کے اجروثواب کو بیان کیا ہے، ہر مومن مرد وعورت کے لئے علم سیکھنے کو ضروری قرار دیا،اس پہلو سے اسلام تمام مذاہب میں ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔

اسلام کا نظریۂ علم:

اسلام ہی دنیائے انسانیت کا پہلا وآخری وہ مذہب ہے جس نے جہالت کے اندھیروں میں علم کی شمع فروزاں کی ،اورعلم واہل علم کی قدر افزائی کی ہے،اورعلم کی حقیقی روح سے روشناس کرایا ہے،علم کا مقدس رشتہ علام الغیوب سے جوڑا ہے،تعلیم کی اہمیت پر خاص زور دیا ہے،اسلام نے علم حاصل کرنے کی نہ صرف یہ کہ دعوت دی بلکہ ہر شخص کا فرض قرار دیا،اسلام میں صرف عقائد وعبادات کے مجموعہ کو جاننے کا نام علم نہیں ہے، بلکہ علم ایک جامع وہمہ گیر مقصد ہے،اس کی جامعیت وہمہ گیری پوری کائنات کی وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے،قرآنی نقطۂ نظر کے مطابق علم کا مطلب یہ ہے کہ کتاب کائنات کے صفحات میں پھیلے ہوئے دلائل ربوبیت کا مطالعہ اس طرح کیا جائے کہ انسان خالق ازل کی معرفت تک پہونچ جائے،آسمان وزمین،شمس وقمر،کواکب وسیارے،شب وروز کی گردش،باد وباراں،برق وطوفاں،بحر وبر،صحراء وکوہسار، جمادات ونباتات،غرض کون سی چیز ہے جس کا مطالعہ کرنے کی ترغیب اسلام نے نہیں

دی، جھرنوں اور آبشاروں، کہکشاں وفضائے بسیط سے لیکر پھول کی پتی، اور ذروں کا جگر چیر کر نظام قدرت و ربوبیت کے مشاہدے کی دعوت دی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ

(سورہ فاطر ۲۷، ۲۸)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ مختلف رنگوں کے پھل نکالے، اور پہاڑوں میں بھی گھاٹیاں ہیں، کوئی سفید، کوئی سرخ، ان کے رنگ مختلف ہیں، اور کوئی بہت گہرے سیاہ ہیں، اسی طرح آدمیوں، جانوروں اور چوپایوں میں بھی ایسے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں، اللہ سے تو بس وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں، اللہ زبردست ہے اور مغفرت کرنے والا ہے

اس آیت میں صاف بتایا گیا ہے کہ اہل علم وہ ہیں جو خدا کی بنائی ہوئی عظیم کائنات میں اس کے حکم کے مطابق اس کی ربوبیت وخلاقی کے بکھرے ہوئے مظاہر کا مطالعہ کرتے ہیں، کائنات کی نیرنگیوں اور جلوہ سامانیوں پر غور کرتے ہیں، اس کے نتیجہ میں خدا کی صفات کی عظمت وجلال کا نقش ان کے دلوں پر قائم ہوتا ہے، ان کے قلوب میں خدا کی کبریائی، تدبیر وحکمت خوف وخشیت کے جذبات پیدا کر دیتی ہے، اور پھر ان کا ظاہر و باطن، قلب وقالب پورے شعور واستحضار کے ساتھ خدا کے آگے سربسجود ہو جاتا ہے، قرآن مجید حقائق کے ایسے مطالعہ اور مشاہدہ کو ''علم'' اور ایسے بصیرت مندوں کو ''علماء'' کہتا ہے، اگر حقائق کا مطالعہ بے بصیرتی اور خدا ناشاسی کے ساتھ کیا جائے تو وہ ملحدانہ فلسفہ ہے، اس کو قرآنی تعبیر میں ''علم'' نہیں کہا جائے گا، مذکورہ آیت سے معروف وروایتی معنی میں ''علماء'' کی فضیلت پر استدلال کرنا ناانصافی کی بات ہے، اور سیاق کے خلاف ہیں، اس سے مراد محض روایتی ''علماء'' نہیں ہیں، قرآن مجید نے متعدد مقامات آفاق والنفس کے اسی مطالعہ اور دلائل ربوبیت کو ایمانی بصیرت کے ساتھ سمجھنے کی دعوت دی ہے، اسلام

قلب کا تزکیہ اور نفس انسانی کی تہذیب کرتا ہے، باطن کو سنوارتا اور سجاتا ہے، انسانوں کو خدا کے بندگی کے آداب سکھاتا ہے، عدل وانصاف کی تعلیم دیتا ہے، ایک صالح و پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر کرتا ہے، وہ زندگی کے ہر پہلو اور حیات انسانی کے ہر گوشہ کی تنویر کا سامان فراہم کرتا ہے، ایک اور موقع پر قرآن مجید نے دلائل ربوبیت اور خدا کی معرفت کے مطالعہ کی دعوت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

وَفِی الْأَرْضِ آیَاتٌ لِّلْمُوقِنِینَ وَفِی أَنفُسِکُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذاریات ۲۰،۲۲)

اور زمین میں اہل ایمان ویقین کے لئے کھلی نشانیاں ہیں، اور خود تمہارے وجود میں، کیا تم نہیں دیکھتے، اور آسمان میں تمہارا رزق ہے، اور وہ بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے

سورہ آل عمران میں اسی غور وتدبر اور کتاب کائنات کے مطالعہ سے خدا کو پہچاننے اور اس کی عظمت کا اعتراف کرنے والوں کو ''اولوا الباب'' اہل عقل ودانش کا خطاب دیا گیا ہے، ارشاد خداوندی ہے

إِنَّ فِی خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَآیَاتٍ لِّأُولِی الْأَلْبَابِ (۱۹۰) الَّذِینَ یَذْکُرُونَ اللَّهَ قِیَاماً وَقُعُوداً وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُونَ فِی خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلاً سُبْحَانَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۱۹۱) آل عمران

بے شک آسمان وزمین کی تخلیق، شب وروز کی گردش میں اہل عقل ودانش کے لئے کھلی نشانیاں ہیں، جو کھڑے، بیٹھے، اور اپنی کروٹوں پر برابر اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار تو نے یہ سب لایعنی پیدا نہیں کیا، تیری ذات پاک ہے، پس آتش جہنم سے ہم کو محفوظ فرما

سورہ واقعہ میں ان ہی حقائق کے مطالعہ، خدا کو پہچاننے اور اسکی ربوبیت کے تعارف کے لئے مشاہدہ آیات آفاق وانفس کی دعوت ان الفاظ میں ذکر کی گئی ہے:

أَفَرَأَيْتُم مَّا تُمْنُون(٥٨) أَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُ	کیا تم نے غور کیا ہے مادہ منی پر جو تم ٹپکاتے ہو، اس
أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ (٥٩) نَحْنُ قَدَّرْنَا	کی صورت گری تم کرتے ہو، یا صورت گری کرنے
بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ	والے ہم ہیں، ہم نے تمہارے درمیان موت مقدر
(٦٠) عَلَى أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ	کی ہے، اور ہم عاجز رہنے والے نہیں ہیں، بلکہ ہم
وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ (٦١)	قادر ہیں اس بات پر کہ ہم تمہاری جگہ تمہارے مانند
وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَى فَلَوْلَا	بنادیں، اور تم کو اٹھائیں اس عالم میں جس کو تم نہیں
تَذَكَّرُونَ (٦٢) أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ	جانتے، اور پہلی پیدائش کو تو تم جانتے ہی ہو، اس
(٦٣) أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ	سے کیوں یاددہانی نہیں حاصل کرتے، کیا تم نے غور
الزَّارِعُونَ (٦٤) لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ	کیا اس پر جو تم بوتے ہو، اس کو تم پروان چڑھاتے
حُطَاماً فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ(٦٥) إِنَّا	ہو، یا پروان چڑھانے والے ہم ہیں، ہم چاہیں تو
لَمُغْرَمُونَ(٦٦) بَلْ نَحْنُ	اس کو ریزہ ریزہ کر چھوڑیں، تو تم باتیں ہی بناتے رہ
مَحْرُومُونَ(٦٧) أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي	جاؤ، بے شک ہم تو تاوان میں پڑے، بلکہ ہم تو
تَشْرَبُونَ (٦٨) أَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ	محروم ہی رہے، ذرا غور تو کرو اس پانی پر جو تم پیتے
الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ (٦٩) لَوْ	ہو، کیا تم نے اس کو اتارا ہے بادلوں سے یا اس کو
نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجاً فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ	اتارنے والے ہم ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کو تلخ
(٧٠) أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ (٧١)	بنادیں، تو تم لوگ شکر کیوں نہیں کرتے، ذرا غور تو
أَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ	کرو اس آگ پر جس کو تم جلاتے ہو، کیا تم نے اس
الْمُنشِؤُونَ(٧٢) نَحْنُ جَعَلْنَاهَا	کے درخت کو پیدا کیا ہے، یا اس کے پیدا کرنے
تَذْكِرَةً وَمَتَاعاً لِّلْمُقْوِينَ(٧٣) فَسَبِّحْ	والے ہم ہیں، ہم نے اس کو یاددہانی اور مسافروں
بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ (٧٤) الواقعة	کے لئے ایک نہایت نفع بخش چیز بنایا ہے

اسلام کے ہمہ گیر اصلاحی نظام نے ان پڑھوں اور ناخواندوں میں جہالت کے خلاف اعلان جنگ پہلی ہی وحی کے ذریعہ ہی کردیا تھا، اور علم کے اسی ہمہ گیر تصور کا اشارہ کردیا

گیا تھا، چنانچہ علم سیکھنے کی مطلق دعوت دی گئی تھی، ارشاد خداوندی ہے:

اقْـرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ (1)خَلَقَ الْـإِنسَـانَ مِـنْ عَلَقٍ (2)اقْـرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (3)الَّـذِيْ عَـلَّـمَ بِـالْقَلَمِ (4) عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَم	پڑھواس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے، انسان کوایک جمے ہوئے خون کے ٹکڑے سے پیدا کیا، پڑھو، اور تمہارا رب بہت کرم فرما ہے، جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ سکھایا، انسان کو وہ سب سکھایا جس کو وہ نہیں جانتا تھا

یہ پہلی وحی کی وہ آیات ہیں جن میں پڑھنے کا حکم دیا گیا علم کا رشتہ خداتعالی سے جوڑا گیا ہے، اور رب کے نام سے پڑھنے اسکی معرفت حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے، جس کی ربوبیت کے دلائل ہر سو صفحہ کائنات میں موجود ہیں، ان ہی میں خود انسان کی تخلیق خدا کی ربوبیت وخلاقیت کی ایک زبردست دلیل ہے، اسلام کا پہلا سبق علم کے تذکرے سے شروع ہوتا ہے، جب غارِ حرا میں حضور ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہوا، تو اچانک جہالت کی شبِ دیجور کے درمیان آفتابِ علم اس شان سے طلوع ہوا، کہ حکم دیا گیا "إقرأ باسم ربك الذي خلق" پڑھو اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے

دنیائے انسانیت کے بڑے بڑے فلسفیوں کے نظریات کے مقابلے میں یہ امتیاز صرف مذہبِ اسلام کو ہی حاصل ہے، اس نے علم کی شمع روشن ہی نہیں کی، بلکہ اس کے رشتہ کو تقدسِ خدا کے ساتھ جوڑ دیا، اس سے آگے بڑھکر یہ کہا جا سکتا ہے کہ علم کا بنیادی موضوع آفاق وانفس میں خدائے ذوالجلال وخالق انسانیت کی تلاش وجستجو، اس کی ربوبیت وخلاقیت کے بکھرے ہوئے مظاہر کو قرار دیا، محض ظن وتخمین اور ناقص تجربات کے ذریعہ مادیت کے ڈھیر پر علم کا کمزور محل تیار نہیں کیا، بلکہ وحی ربّانی پر مشتمل عالم گیر ہدایت انسانی کے صحیفہ کو انسان کی عملی اور تطبیقی زندگی سے مربوط کر کے علم کی ایسی شمع روشن کی جس سے مشرق ومغرب جگمگا اٹھے، اسلام کے نصاب درس کی خصوصیت ہی یہ تھی کہ اس کا نقطۂ نظر ہمہ جہتی تھا، یکطرفہ نہ تھا کیونکہ اسلام خدا کا پیغام اور فطرت انسانی سے ہم آہنگ ایک آفاقی مذہب ہے، اسلام کا نظریہ علم بلکہ ہر اصول نہ تو دیو مالا کا واہمہ ہے

،اور نہ ہی منطق کا کوئی پیچیدہ مسئلہ، اللہ کو اسلام نے ایسے خالق کی حیثیت سے متعارف کرایا جس کا فرمان قلب وقالب میں یکساں جاری وساری ہے، اس لحاظ سے اسلام کے نصابِ تعلیم میں نہ کوئی رخنہ تھا اور نہ کوئی تناقص، تاریخ کا کوئی طالب ایک نظر ان تاریک ادوار (DARK AGES) پر ڈالے جو اسلامی دور سے پہلے تھے، اور پھر جائزہ لے کہ اسلام کی آمد کے بعد کیا انقلاب رونما ہوا، اور خدا کے نازل کردہ آخری نظام ودستور حیات کے ذریعہ انسانی زندگی میں کیسے بہار آئی، تو برملا یہ اعتراف کرے گا، کہ واقعی اونٹوں کو چرانے والوں نے تہذیب کی شمعیں روشن کردیں، اندھیروں میں جینے والے نہ صرف روشنی میں آگئے بلکہ تاریکی کے دشمن بن گئے، انھیں جہالت کے ماحول میں گھٹن محسوس ہوتی تھی، صحابہ کرامؓ جہاں گئے چلتے پھرتے مدرسے اور دوڑتے ہوئے علوم ومعارف کے چشمے بن گئے، جنہوں نے دنیا کو علم وتمدن اور تہذیب وآداب منور کردیا، معلم انسانیت نے ان کو سبق ہی ایسا پڑھایا تھا کہ وہ اس کے علاوہ کچھ جانتے ہی نہ تھے، ابونعیم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے: "كن عالما أو متعلما ولا تكن ثالثا" (کنز العمال، الحدیث ۲۸۷۲) علم سکھاؤ یا سیکھو تیسرا کوئی کام نہ ہو۔

اگر تاریخ کا مطالعہ تعصب وتنگ نظری کے بجائے بصیرت وحق پسندی کے ساتھ کیا جائے تو شاید ہی کوئی کوتاہ بیں ہوگا جو اس کا اعتراف نہ کرلے، حقیقت یہ ہے کہ اسلام خدا کا نازل کردہ وہ آخری دین ہے جو کامل ومکمل تہذیب بھی ہے، اور انسانوں کے لئے ضابطۂ حیات (Syestem of Life) بھی، وہ عقائد وعبادت کا مجموعہ بھی ہے اور قیام عدل ومیزان کی شمشیر آبدار بھی، آج دنیا کو علم وتہذیب کا درس دینے والے مغرب زدہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے ہی دنیا کو علم وتمدن اور وسائل تعلیم سے آشنا کرایا ہے، انھوں نے علمی میدان میں اتنی ترقی کی ہے کہ آج پوری دنیا ان کے علم، نصاب تعلیم، نظامِ تعلیم وتربیت کا نہ صرف لوہا ماننے پر مجبور ہے بلکہ اسکو اختیار کئے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا، اور افسوس تو یہ ہے کہ اس صف میں غیروں کے ساتھ کچھ اپنے بھی معذرت خواہانہ انداز میں دست بستہ کھڑے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ یورپ علم یا نظامِ تعلیم وتربیت کا موجد نہیں ہے، بلکہ پیروانِ اسلام کی متاعِ گم شدہ کو اس نے حاصل کیا ہے اور اہلِ حق

اپنی متاعِ اقبال سے غافل ہو گئے ہیں

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل　　خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز

اقبال کے قلب دردمند اور سوز دروں نے کچھ یوں کہا ہے

وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی　　جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

تعلیم و تعلم کے فضائل، اور مقصد:

اسلام نے تعلیم و تعلم اور اشاعتِ علم پر جو فضائل اور اہلِ علم کا جو مقام و مرتبہ بیان کیا ہے، وہ محتاجِ تعارف نہیں ہے، اسلام نے علم کی اشاعت اور تعلیم و تعلم کی فضیلت بھی تفصیل اور اہتمام کے ساتھ بیان کی ہے، مختلف احادیث میں متعدد فضائل وارد ہوئے ہیں،

عن أبی الدرداء رضی الله عنه مرفوعا قال:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:من سلك طریقا یلتمس فیه علما سهل الله له طریقا الی الجنة،وان الملائكة لتضع أجنحتها لطالب العلم رضا بما یصنع،وان العالم لیستغفر له من فی السماوات ومن فی الأرض حتی الحیتان فی الماء،وفضل العالم علی العابد كفضل القمر علی سائر الكواكب، وان العلماء ورثة الأنبیاء، لم یورثوا دینارا ولادرهما،وانما ورثوا العلم،فمن أخذه أخذ بحظ وافر" رواه مالك والترمذی

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص علم سیکھتا ہے، اور علم کی راہ میں نکلتا ہے، اللہ تعالی اس کے لئے جنت کے راستہ کو آسان بنا دیتا ہے، فرشتے طالب کے لئے خوش ہو کر اس کے قدموں میں اپنے پر بچھاتے ہیں، عالم کے لئے زمین اور آسمان کی تمام مخلوق حتی کہ پانی کی مچھلیاں خیر کی دعا کرتی ہیں، عالم کی فضیلت عبادت گذاروں کے مقابلہ ایسی ہے جیسے چاند کی فضیلت ستاروں پر، علماء انبیاء کے وارث وامین ہوتے ہیں، جو انبیاء کی وراثت سنبھالتے ہیں، حضرات انبیاء درہم ودینار کا وارث نہیں بناتے بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں، جو اس کو لیتا ہے، وہ بڑا خوش نصیب ہے،

علم حاصل کرنے ،سیکھنے اور سکھانے پر بہت فضائل وارد ہوئے ہیں،ان ہی میں ایک روایت امام احمد نے مسند میں ذکر فرمائی ہے،جس سے اہل علم کا مقام معلوم ہوتا ہے:

ان مثل العلماء كمثل النجوم،يهتدى بها فى ظلمات البر والبحر،فاذا انطمست النجوم،أوشكت أن تضل الهداة، رواه احمد	علماء کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ستارے،،بحر وبر کی ظلمت وتاریکی میں لوگ ستاروں سے صحیح راہ کا پتہ لگاتے اور رہنمائی حاصل کرتے ہیں، ستارے غائب ہوجائیں تو چلنے والے راہ بھٹک جائیں گے

اسلام نے جہاں ایک طرف علم کے فضائل اور اہل علم کا مقام بیان کیا تاکہ اشاعت علم کے لئے مہمیز ہوتو دوسری طرف علم کا موضوع اور اسکی غرض وغایت بھی متعیّن کی ہے،جس علم سے انسان خود فائدہ نہ حاصل کر سکے اور جو اسکی زندگی کے لئے مفید نہ ہو معلمِ انسانیت نے خود ایسے علم سے پناہ مانگی ہے،آپ ﷺ اپنی دعاء میں فرماتے تھے:''اللهم إني أعوذ بك من علم لا ينفع ''اے اللہ ایسے علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو نفع نہ دے،اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے علم کا مقصد کوتاہ بنالیتا ہے یا علم کی ناقدری کرتا ہے،یا دو کف جو اسکا ہدف ہوتا ہے تو اس کے لئے ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی:

عن أبي هريرةؓ قال:قال رسول الله ﷺ من تعلم علما مما يبتغى به وجه الله عزوجل لا يتعلمه إلا ليصيب به عرضا من الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم القيامة ريحها (أبو داوُد،كتاب العلم،۲۶۶۴)	حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص ایسے علم کو جس سے اللہ کی رضا مقصود ہوتی ہے صرف دنیا کے چند ٹکوں کے لئے حاصل کرتا ہے وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو تک نہیں پاسکتا،

اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

وعن كعب بن مالكؓ قال قال رسول الله ﷺ من طلب العلم ليجاري به العلماء أو ليماري به السفهاء، أو يصرف به وجوه الناس اليه أدخله الله النار، رواه الترمذی

حضرت کعب بن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے علم اس لئے حاصل کیا کہ علماء سے مقابلہ آرائی کرے گا، یا جاہلوں سے مباحثہ و جھگڑا کرے گا، یا علم کے زور پر لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرے گا، اللہ اس کو جہنم میں داخل فرمائے گا

چھٹی صدی کی جاہلیت میں جب وحی کا نور طلوع ہوا، اور محمد عربی ﷺ نے اپنے صحابہ کی تربیت فرمائی تو ایک زبردست انقلاب رونما ہوا، قرنِ اول میں یہی علم کی روح اور اسپرٹ تھی جس نے عرب کے بوریہ نشین خانہ بدوشوں کو ذوقِ علم اور شوقِ جستجو کا ہمراز کر دیا تھا، انھوں نے علم وتہذیب کی ایسی شمعیں روشن کیں جس کی نورانی روشنی میں انسانی قافلوں نے صدیوں تک سفر کیا، اور علم وتحقیق نے جلا پائی،

وحدتِ تعلیم کا تصور:

اسلام دین ودنیا، یا قدیم وجدید کے نام پر علم کی تفریق نہیں کرتا، بلکہ اسلام میں نافع وضار کی تقسیم ہے، جو علم انسان کے لئے انفرادی واجتماعی حیثیت سے مفید ہے، اور اس کی روحانیت واخلاق کے لئے آرائش کا سامان ہے، آخرت میں کامیابی وفلاح کا ضامن ہے، اسلام اس پر ابھارتا ہے، اس کے سیکھنے کا حکم دیتا ہے، اور جو علوم مضرت رساں ہیں ان سے روکتا ہے، اسلام دین اور دنیا کے خانوں میں تعلیم کی ثنویت کا قائل نہیں ہے، بلکہ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہر علم جو دین ودنیا کے لئے نافع، اخلاق وروحانیت کے لئے مفید، انسانیت کے لئے سودمند اور خدا کی معرفت پیدا کرنے والا ہے وہ مطلوب ومقصود ہے، وہ مذہبی ودینی علوم ہوں یا فنی مہارات وتجرباتی علوم، جن پر ایک صالح اور پاکیزہ تمدن کی تعمیر ہوتی ہے، اور رہے وہ علوم وفنون جن سے کسی بھی نوعیت کا نقصان ہے، یا ان میں مقصدیت نہیں ہے، وہ غیر مطلوب ومذموم ہیں، دین کو دنیا سے الگ کرنے، اور دنیا کو دین کی رہبری ونگرانی سے آزاد کرنے کا فلسفۂ حیات دراصل قدیم مسیحی نظریہ تھا جس پر رومی تمدن کی بنیاد تھی، بلکہ یہ نظریہ روم وایران، یونان ومصر وغیرہ کے

قدیم نظریات میں تھا،ان کا قول تھا ''أعطوا القیصر ما لقیصر ،وأعطوا الله ما لله''
''خدا کو خدا کا حق اور قیصر کو قیصر کا حق دو'' خدائی و بادشاہت، دین و دنیا کی تفریق کا یہی وہ نظریہ تھا جس نے کلیسا اور دنیا کو الگ الگ کر دیا تھا، جس نے مسیحیت کو صرف گرجاؤں میں محدود کر دیا تھا، اور زندگی کے تمام شعبوں کو دین کی نگرانی سے آزاد کیا تھا، اسی نظریہ کو مغرب نے اختیار کیا ہے، جس کی بنیاد پر دین و دنیا کی تفریق ہر میدان میں عمل میں آئی، اس کا زندگی کے مختلف گوشوں میں بدترین اثر ظاہر ہوا، نتیجۃً دین اپنی وسعتوں کے باوجود سمٹ کر رہ گیا، صرف شرعی علوم اور اس کے نمائندہ اداروں کو لوگ دینی ادارے کہنے لگے، جن کا عملی زندگی سے رشتہ ٹوٹ گیا، وہ انسانی اور تجرباتی علوم سے محروم رہ گئے، مسلمان اپنی روشن تعلیمات وتابناک تاریخ سے ہی نہیں بلکہ ہر اس چیز سے کٹ گئے جو ان کے منصب امامت وقیادت کے شایان شان تھی، دیگر علوم وفنون صرف ایسے پروفیشن بن گئے جن کا دین واخلاق (Moral Values) سے کوئی تعلق نہ رہا، تمام علوم وفنون اور اس کے نمائندہ ادارے نہ صرف یہ کہ دینی نگرانی سے الگ ہو گئے، بلکہ یہ تصور پیدا ہو گیا کہ دین الگ ہے، دنیا الگ ہے، دین کا میدان دنیا کے ہنگاموں سے مختلف ہے،

علوم کی مختلف قسمیں اور ان کا حکم:

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس موضوع پر مفصل کلام کیا ہے، شارح مسلم امام نوویؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب'' **المجموع شرح المهذب** '' کے مقدمے میں بڑی مرتب گفتگو فرمائی ہے، جو اس موضوع کا خلاصہ ہے، دراصل اسلام میں شرعی اور غیر شرعی علوم کا فرق ہے، نافع وضار کی تقسیم ہے، دین و دنیا کے نام سے کسی تقسیم کا وجود نہیں، دنیا آخرت کی کھیتی ہے، دنیا کا میدان اس دین کو برتنے اور قائم کرنے کے لئے ہے، دین کے بغیر دنیا ظلم وجور اور بے راہ روی کی آماجگاہ اور دین کا تصور دنیا کی اصلاح کے بغیر ناقص ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی بندۂ خدا جذبۂ نافعیت اور اس احساس دروں کے ساتھ علم سیکھتا ہے، تو زمین وآسمان کی بے زبان مخلوق اس کے لئے دعا کرتی ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

والعلوم بالاضافة الى الغرض الذى نحن بصدده تنقسم الى

شـرعية وغيـر شرعية،وأعنى بالشرعية ما استفيد من الأنبياء صلوات الله عـليهـم وسلا مه،ولا يرشد العقل اليه مثل الحساب،ولا التجربة مثل الطب، ولاالسماع مثل اللغة، فالعلوم التى ليست بشرعية تنقسم الى ما هو محمود والى ما هو مذموم والى ماهو مباح، فالمحمود ما يرتبط به مصالح أمور الدنيا كالطب والحساب،وذلك ينقسم الى ما هو فرض كفاية والى ما هو فضيلة وليس بفريضة، أما فرض الكفاية فهو علم لا يستغنى عنه فى قوام أمور الدنيا كالطب،اذ هو ضرورى فى حاجة بقاء الأبدان،وكالحساب فانه ضرورى فى المعاملات وقسمة الوصايا والمواريث وغيرهما،وهذه هى العلوم التى لو خلا البلد عمن يقوم بها حرج أهل البلد، واذا قام بها أحد،كفى وسقط الفرض عن الآخرين،فلا يتعجب من قولنا ان الطب والحساب من فروض الكفايات،فان أصول الصناعات أيضا من فروض الكفايات كالفلاحة والحياكة والسياسة بل الحجامة والخياطة،فانه لو خلا البلد من الحجام تسارع الهلاك اليهم وحرجوا بتعريضهم أنفسهم للهلاك باهماله،وأما ما يعد فضيلة لا فريضة فالتعمق فى دقائق الحساب وحقائق الطب وغير ذلك،مما يستغنى عنه ولكنه يفيد زيادة قوه فى القدر المحتاج اليه، وأما المذموم فعلم السحر والطلسمات وعلم الشعبذة والتلبيسات''

(احیاء العلوم جلد اول، الباب الثانی)

''اس مقصد کے پیش نظر جس کا ہم بیان کر رہے ہیں علوم کی دو قسمیں ہیں، ایک شرعی علوم، دوسرے غیر شرعی علوم، شرعی علوم سے مراد وہ علوم ہیں جن کی بنیاد انبیاء علیہم السلام کی جانب کی گئی آسمانی وحی پر ہے، نہ وہ عقل سے معلوم ہو سکتے ہیں، جیسے حساب وغیرہ، اور نہ وہ علم طب کی طرح تجرباتی علوم ہیں، اور نہ ہی لغت کی طرح وہ سماعی ہیں، غیر شرعی علوم میں بعض علوم محمود و مستحسن ہیں، بعض مذموم و ناجائز، اور بعض صرف مباح ہیں، محمود و مستحسن سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام

علوم جو انسانی دنیا اور تمدن کے لئے مفید ہیں، یا اس سے متعلق ہیں، وہ سب محمود ہیں، جیسے کہ علم طب (Madical Science) یا علم حساب (Mathmatic) شرعی حکم کے لحاظ سے ان کی دو قسمیں ہیں، فرض کفایہ اور مستحب و بہتر، فرض کفایہ وہ تمام علوم ہیں جن کے بغیر دنیا کی زندگی کے معاملات نہیں چل سکتے، جیسے طب اور میڈیکل سائنس، انسانوں کی جسمانی ضرورت اور بیماری کے پیش نظر ناگزیر ہے، اسی طرح علم حساب (Mathmatic) کہ وہ معاملات انسانی، خرید وفروخت، میراث ووصیت کے حسابات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے، اگر کسی شہر میں ان علوم کو جاننے والے نہ ہوں تو ظاہر ہے کہ پورا شہر مشقت وحرج میں پڑ جائے گا، اور اگر چند ایک افراد اس کو جاننے والے ہوں تو سب کی ضرورت حل ہو جائے گی، شرعی فرض کفایہ ساقط ہو جائے گا، کسی کو ہماری اس بات سے تعجب نہ ہو کہ علم طب (Madical Science) علم حساب (Mathmatic) فرض کفایہ علوم میں داخل ہیں، معلوم ہونا چاہئے کہ بنیادی پیشے اور ان کا علم بھی فرض کفایہ ہے، جیسے کی کاشتکاری (agriculture)، بُنائی (knitting)، سیاست (Poltical Science)، بلکہ حجامۃ (Cupping) اور سلائی (Tailaring) وغیرہ، اگر کسی علاقہ میں کوئی حجامہ کو جاننے والا نہ ہو تو اہل تمام شہر بیماری کی وجہ سے ہلاکت کے درپہ ہوں گے، اس لئے کہ جس نے بیماری اتاری ہے اس نے اس کا علاج بھی اتارا ہے، اور مرض کا تریاق بھی رکھا ہے، اس کے استعمال کا سلیقہ بھی سکھایا ہے، ان چیزوں سے غفلت واہمال جائز نہیں ہے، اور جو علوم مستحب وفضیلت کے درجہ میں ہیں، جیسے علم حساب اور علم طب کے دقائق کا علم اور اس کی گہری معرفت جس کے ذریعہ مزید واقفیت اور پختگی حاصل ہوتی ہے، باقی کچھ مذموم ومضرت رساں علوم ہیں جیسے سحر وطلسمات یا شعبدہ بازی وغیرہ سے متعلق علوم، ان کا سیکھنا وسکھانا ناجائز ومذموم ہیں"

امام غزالیؒ کے مذکورہ بالا اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علوم کی صحیح تقسیم کیا ہے، ہم جن علوم کو خالص دنیاوی علوم کہتے ہیں اور اس کا دین سے کوئی رشتہ نہیں سمجھتے حقیقت یہ ہے کہ شرعی لحاظ سے ان کو سیکھنا فرض کفایہ میں داخل ہے،

امام نوویؒ نے ''المجموع شرح المہذب'' کے مقدمہ میں شرعی اور غیر شرعی علوم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

'' هی ثلاثة، الأول: فرض عین، وهو تعلم المكلف ما لا يتأدى الواجب الذی علیه فعله الا به، ككيفية الوضوء والصلاة ونحوهما، وعليه حمل جماعات الحديث المروی فی مسند أبی یعلی الموصلی عن أنس عن النبی ﷺ طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة...... والقسم الثانی فرض الكفاية وهو تحصيل ما لا بد للناس منه فی اقامة دينهم من العلوم الشرعية كحفظ القرآن والأحاديث وعلومهما، والأصول والفقه والنحو واللغة والتصريف، ومعرفة رواة الحديث، والاجماع والخلاف، وأما ماليس علما شرعيا ويحتاج اليه فی قوام أمر الدنيا كالطب والحساب ففرض كفاية أيضا، نص عليه الغزالیؒ، واختلفوا فی تعلم الصنائع التی هی سبب قيام مصالح الدنيا كالخياطة والفلاحة ونحوهما، واختلفوا فی أصل فعلها،...... قال الامام أبوالحسن علی بن محمد بن علی الطبری المعروف بالكيا هراسی صاحب امام الحرمين، هی فرض كفاية وهذا أظهر...... القسم الثالث: النفل وهو كالتبحر فی أصول الأدلة والامعان فی ماوراء القدر الذی يحصل به فرض الكفاية، ...... وقد ذكرنا أقسام العلم الشرعی، ومن العلوم الخارجة عنه ما هو محرم أو مكروه أو مباح''(مقدمة المجموع ۱/۴۹-۵۳)

''حکم کے لحاظ سے شرعی علوم کی تین قسمیں ہیں، پہلی قسم فرض عین ہے، اس سے مراد ان امور کا سیکھنا ہے جس کے بغیر مکلّف شخص کے لئے فرائض وواجبات کی ادائیگی ناممکن ہے، جیسے کہ وضوء ونماز کی کیفیات اور ادائیگی کا طریقہ، محدثین کی جماعت نے مسند ابویعلی میں منقول حدیث نبوی ﷺ علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے سے یہی مراد لیا ہے،...... دوسری قسم فرض کفایۃ ہے، اس سے مراد وہ علوم شرعیۃ ہیں جن کی لوگوں کو دینی امور میں ضرورت محسوس ہوتی ہے، جیسے

کہ حفظ قرآن، حفظ حدیث، علوم القرآن، علوم الحدیث، اصول، فقہ، علم نحو وصرف، علم لغت اور رواۃ حدیث کا علم، وغیرہ، جو علوم وفنون شرعی نہیں ہیں، بلکہ اپنے دنیاوی معاملات کی درستگی، اور زندگی کی ضروریات کے لئے لوگوں کو ان کی حاجت ہوتی ہے جیسے علم طب، علم حساب وغیرہ تو ان کا سیکھنا بھی فرض کفایہ ہے، امام غزالیؒ نے بھی اس کی صراحت کی ہے، البتہ پیشوں کے سیکھنے کے شرعی حکم کے بارے میں اختلاف ہے، بعض علماء نے فرض کفایۃ لکھا ہے، اور بعض نے فرض کفایہ نہیں قرار دیا، امام ابوالحسن طبری معروف بہ ''کیا ہراسی'' نے فرض کفایہ قرار دیا ہے، اور یہی درست وراجح ہے، علوم شرعیہ کی تحصیل میں تیسری قسم مستحب اور بہتر کی ہے، اس سے مراد یہ ہے مثلاً علم اصول میں مہارت پیدا کرنا، یا فرض کفایہ مقدار سے زیادہ علوم شرعیہ میں گہرائی و گیرائی کے ساتھ ان کو سیکھنا، یہ علوم شرعیہ کو سیکھنے کا حکم شرعی اور اس کی قسمیں ہیں، علوم شرعیہ کے علاوہ جو علوم ہیں، وہ حرام، مکروہ یا مباح ہیں''

آگے امام نووی نے فرمایا ہے کہ مثلاً سحر وشعبدہ کا علم سیکھنا حرام ہے، نامناسب اشعار سیکھنا مکروہ ہے، اور اچھے وعمدہ اشعار وغیرہ سیکھنا جائز ہے، یہ شرعی لحاظ سے علوم کی تقسیم تھی، اس سے معلوم ہوتا ہے دین ودنیا کی افادیت جن علوم سے وابستہ ہے، اور انسانوں کی بنیادی ضروریات جن علوم سے متعلق ہیں، وہ سب دین ودنیا کی تفریق کے بغیر یا تو فرض کفایہ ہیں یا کم از کم مباح وجائز ہیں، عہد نبوی میں یہی نظام وترتیب تھی، ہم آگے اس کا تذکرہ کریں گے۔

نظامِ تعلیم کی اہمیت اور زندگی پر اس کا اثر:

نظامِ تعلیم کسی بھی قوم کے لئے وہی حیثیت رکھتا ہے جو فرد کے لئے دماغ کی ہوتی ہے، اگر دماغ کسی سحرِ سامری کا شکار ہو جائے تو فرد کی ساری حرکات وسکنات اسی کے منشاء کے مطابق نمودار ہوتی ہیں، خواہ وہ اپنی جگہ یہ سمجھتا رہے کہ وہ فکر وعمل میں آزاد ہے، اسی طرح اگر کسی قوم کا نظامِ تعلیم متاثر ہو جائے، اور فساد واختلال کا شکار ہو جائے، تو اس قوم کی تمام معاشی، سیاسی، ثقافتی سرگرمیوں میں بگاڑ پیدا ہونا لازمی ہے، آج دنیا پر جو نظامِ تعلیم مسلط ہے، جس سے دنیا متاثر ہے، اور اس کا جادو سر چڑھکر بول رہا ہے، وہ یورپ کا نظام تعلیم ہے، اس نظام بنیاد دین ودنیا کی تفریق

پر قائم ہے، جس میں اخلاقی اقدار کا بحران ہے،، مردوزن کا اختلاط ہے، علم کے مقاصد محدود ہی نہیں بلکہ انتہائی کوتاہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے معاشرہ میں تعلیم انسان کی اخلاقی وروحانی ترقی کا ذریعہ بننے کے بجائے جرائم کی ایجاد اور انسانیت سوزی کا ذریعہ بن گئی ہے، علم صرف مال وزر کی ہوس کی تکمیل کا ایک عمدہ ہنر بن گیا ہے، اس کوتاہ نظری اور مقصدیت کے فقدان کو اکبر الہ آبادی مرحوم نے کیا خوب بیان کیا ہے

کیا بتائیں احباب کیا کارنمایاں کر گئے
بی اے ہوئے، ایم اے ہوئے، نوکر ہوئے، پنشن ملی مر گئے

علامہ قبالؒ مغرب کے فلسفہ تعلیم کے اہم ناقدین میں ہیں، انہوں نے اس کی بے ثباتی وکمزوری، عدم مقصدیت اور اس کے نقصانات کو واضح طور سے بیان کیا ہے،

خوش تو ہم ہیں جوانوں کی ترقی سے مگر — لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم — کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم — ایک سازش ہے فقط دین ومروت کے خلاف

مغربی نظام تعلیم میں علم کا مقصد انتہائی ناقص وکوتاہ بن گیا، اس میں انسان کی تگ ودو جدوجہد صرف پیٹ تک محدود ہوگئی، اس کی بے مقصدیت اور کوہ نظری کے متعلق اقبال مرحوم نے کہا تھا

وہ علم نہیں زہر ہے احرار کے حق میں — جس علم کا حاصل ہو جہاں میں دو کف جو
عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا — قبض کی روح تری، دے کے تجھے فکر معاش
فیض فطرت نے تجھے دیدہ شاہیں بخشا — جس میں رکھ دی ہے غلامی نے نگاہ خفاش

بہر حال مغربی نظام تعلیم کے اثرات ونتائج واضح ہیں، لوگ اس سے متاثر ہیں، آج مغرب اقوام عالم کی امامت کر رہا ہے، تاریخ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ وہ قوم جو حقیقت میں امامت وقیادت کے منصب پر فائز تھی، اور تاریخ اس کی بے مثال قیادت کی گواہ ہے وہ آج محروم ومحتاج اور دوسروں کی دست نگر ہے، جس قوم کے نظام تعلم کی اساس وبنیاد یہ تھی کہ ”علم حاصل کرنا ہر مردو

عورت پر فرض ہے" وہ جہالت وناخواندگی میں مبتلا ہے، اور کلیسا و یورپ جو علم کا دشمن تھا وہ فلسفہ تعلیم ہی نہیں بلکہ ہر شعبۂ زندگی میں اپنی قیادت کا لوہا منوا رہا ہے، جو کسی زمانہ میں جہالت کے اندھیرے میں بھٹک رہا تھا، اور مسلمان علم وتہذیب کے پیامبر تھے، آج معاملہ الٹ گیا ہے، ادھر ترقی واقبال اور عروج ہے، یہاں تنزل وادبار اور انحطاط روز افزوں ہے، تعلیم اور نظام تعلیم ہی قوموں کی زندگی کا معیار، ان کی کامیابی کی شاہ کلید، قافلۂ انسانیت کی صالح قیادت کا ضامن ہے، آج مغربی ممالک میں جاہل رہنا عیب ہے، اس کے معاشرہ میں ہر فرد کے لئے تعلیم لازم (Compulsory) ہے، یہ اصول دراصل اسلامی نظام تعلیم کا بنیادی ضابطہ ہے،

آئندہ سطور میں عہد اول اور عہد نبوی کا نظامِ تعلیم، مدرسہ نبوت کی خصوصیات، انداز واسلوب کی ایک جھلک پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، وہ گذرے ہوئے دنوں اور عہد رفتہ کا ایک بھولا ہوا سبق نہیں بلکہ مستقبل کی تعمیر کے لئے رہنما خطوط ہیں،

یورپ اور اس پر اسلام کا اثر

مؤرخین یورپ کی تاریخ تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں:

۱- عہدِ قدیم، جبکہ یورپ رومن امپائر (ROMEN EMPIRE) کا محکوم تھا، اسکے پاس نہ علم کی روشنی تھی اور نہ تہذیب وتمدن کے خطوط، نہ معاشرت کا سلیقہ تھا، اور نہ معشیت کے اصول، غلامی کے بوجھ کا جوا ان کی گردن پر تھا، جہالت میں جیتے تھے اور جہالت میں مرتے تھے۔

۲- عہدِ وسطیٰ، یورپ کا یہ دوسرا عہد ہے جسمیں وہ چرچ کی حکمرانی اور کنیسہ کے رحم وکرم پر تھا، مسیحی خود نورِ علم اور حقیقی علم سے محروم وناآشنا تھے، جو کچھ علم کا ورثہ تھا، وہ بھی دست برد سے محفوظ نہ تھا، اس عہد میں بھی یورپ جہالت وعلم دشمنی اور فکری جمود وتعطل کا شکار تھا۔

۳- تیسرا عہد یورپ کی بیداری (Awakening) کا ہے، جو تقریباً چودہویں صدی عیسوی کے اوائل سے شروع ہوتا ہے، اس وقت اسلامی علوم اور تہذیب وتمدن اپنے عروج پر تھے، اسلامی تہذیب وثقافت کے عروج اور علوم وفنون کی ترقی کا بہترین دور آٹھویں

صدی عیسوی سے تقریبا تیرہویں صدی تک پھیلا ہوا ہے، یہ زمانہ اسلامی علوم وفنون اور ثقافت کی تاریخ میں عہد ذریں (Golden Age) کہلاتا ہے، اسی عہد کی ابتدا میں خلیفہ عباسی ہارون رشید نے بغداد میں بیت الحکمۃ (House of Wisdom) قائم کیا تھا، جس میں اپنے وقت کے نابغہ روزگار علماء وحکماء جمع تھے، علوم وفنون ،تحقیقات وایجادات ،نئی دریافتوں کا ایسا سلسلہ تھا جو بعد کے زمانہ میں تمام علوم وفنون کی بنیاد قرار پایا، بے شمار علوم وفنون ،کیمیاء (Chemistry)،طب (Medical Science)، نجوم (Astronomy)، حساب (Mathmatic)،فنِ تعمیر وغیرہ موضوعات پر تحقیقات کی جاری تھیں، دوسری طرف اسی عہد میں یورپ جہالت کی تاریکیوں میں گم تھا، جب اہل اسلام کے قافلوں نے اندلس کے مرغزاروں میں قدم رکھا، اور وہاں تہذیب وتمدن کی شمعیں روشن کیں، اس کو اپنی شوخی پا سے سنوارا اور سجایا، تو یورپ کے وحشی لوگوں کو ان قافلہ سالاروں سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا، اہل یورپ نے مسلمانوں سے علم وادب، تہذیب وثقافت ،آداب وانسانیت کے درس حاصل کئے، یورپ نے مسلمانوں کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، اور علوم وفنون ومعارف حاصل کئے، تہذیب وتمدن ،اخلاق ونظام سیکھا، تاریخ اس کی گواہ ہے کہ یورپ کی بیداری میں مسلمانوں کا بڑا حصہ ہے۔

کون سا ایسا علم ہے، جو یورپ نے مسلمانوں سے نہ سیکھا ہو حتی کہ صرف علوم ہی نہیں بلکہ نظامِ تعلیم ،اندازِ تربیت سب مسلمانوں کا دیا ہوا ہے، اور ان کی فراہم کردہ بنیادوں پر قائم ہے، موجودہ تمام ترقی یافتہ علوم وفنون مسلمانوں کے فضل وکمال کے معترف اور ان کے کارناموں سے گراں بار ہیں، علم کیمیاء (Chemistry)، علم طب (Medical Science) ابولقاسم زہراوی، رازی، بوعلی سینا کا مرہون منت ہے، علم نجوم (Astronomy)، علم حساب (Mathmatic) الخوارزمی کا احسان مند ہے، ایک مصنف نے کیا خوب اعتراف کیا ہے:

It was from writings of Alkhawarizmi on Algebra, Astronomy, and arthmetics that Eourup received decimal notations,

(The Muslims and New World Order, London P. 162)

یہ تو تاریخ کے ایسے نقوش ہیں، جن پر دلائل کی ضرورت نہیں، ایسے واضح حقائق ہیں جو محتاجِ بیان نہیں، کہ یورپ نے سب کچھ مسلمانوں سے سیکھا ہے، اور آج دنیا کا امام بنا ہوا ہے، جس کی اصل پونجی تھی وہ اپنے سرمایہ سے غافل ہیں،

تعلیمی انقلاب کی دستک:

جس وقت محمد عربی ﷺ کی بعثت ہوئی، عالمگیر تاریکی چھائی ہوئی تھی، چھٹی صدی مسیحی کی جاہلیت وتاریکی کا نقشہ قرآن مجید یوں بیان کرتا ہے:

''ظهر الفساد فی البر والبحر بما كسبت أيدی الناس'' خشکی وتری بحر وبر میں فساد ہی فساد تھا، لوگوں کی بداعمالیوں اور کرتوتوں کی وجہ سے'' ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے:

''كنتم على شفا حفرة من النار، فانقذكم منها'' ''تم آگ کے کنارے کھڑے تھے، خدا نے تمہیں اس سے بچالیا، آسمانی مذاہب اپنی اصلی شکل وروح کھوچکے تھے، یہودیت ونصرانیت محرف تعلیمات کا مجموعہ تھی، اس میں بھی باہم شدید اختلافات تھے، بڑے بڑے ممالک سیاسی ومعاشی ظلم کی آماجگاہ تھے، یا اخلاق باختگی وبے حیائی کا مرکز تھے، نہ کوئی تعلیمی تحریک تھی، نہ اصلاحی جدوجہد، آسمان وزمین ایک عالمی مصلح کے منتظر تھے، آسمانی والہامی کتابوں کا کچھ علم رکھنے والے لوگ دنیا سے بیزار اپنی کتابوں کی پیشین گوئیوں کے مصداق کی تلاش میں حیران وسرگرداں تھے، اس دور کی حالت کا مختصر ذکر کرتے ہوئے قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے لکھا ہے:

''عرب نوشت وخواند سے مبرا ومعرا تھا، اور اسے اپنی اس حالت پر ناز بھی تھا، لیکن یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی تعلیم کا نام ونشان نہ تھا، جو تعلیم پادریوں میں پائی جاتی تھی، وہ صرف بائبل کے حروف سیکھنے تک محدود تھی، اس کے ساتھ ترجمہ وتفسیر شامل نہ تھے، یا ان بے سروپا داستانوں کو علم کا درجہ دے دیا گیا تھا، جو یہودیوں میں بطور کبھی ناول لکھی گئی تھیں، اور پھر ان کا درجہ وحی کے برابر تسلیم کرلیا گیا تھا، ہندوستان میں شریمد بھاگوت اور پرانوں کی حکومت تھی، بہت زیادہ ترقی کی صورت میں رامائن اور مہابھارت کے قصے منتہائے علم سمجھے جاتے تھے، یہی حال چین وایران کا تھا، یورپ بالکل جہالت کدہ تھا'' (رحمۃ للعالمین ۲/۳۰۲)

اس پرآشوب دور میں معلمِ انسانیت سید الاولین والآخرین محمد ﷺ کو خالق کائنات نے داعی، معلم اور ہادی بنا کر بھیجا تھا، آپؐ نے پوری انسانیت کو صحیح عقیدہ کی طرف دعوت دی، عدل ومساوات کی طرف بلایا، علم کے خشک سوتوں کو کھولا، کفر وضلالت اور گمراہیوں کی پستیوں سے نکال کر حق ومعرفت کی بلندیوں پر انسانیت کو فائز کیا، ظلم وجور سے نفرت دلا کر عدل وانصاف کا پیامبر بنا دیا، حصول علم کو فرض قرار دیکر جہالت کے گڑھوں سے نکالا، لاقانونیت کی زندگی گذارنے والوں کو قانون خداوندی کی پابندی سکھا کر انسانی زندگی کی فلاح وسعادت کا راز بتایا، انسانیت کا کھویا ہوا وقار بحال ہوا، مخلوق کا رشتہ اپنے خالق سے استوار ہوا، ہر شعبہ زندگی میں انحطاط وزوال آشنا انسانیت کو فکر ونظر، شعور ووجدان، ہمت وحوصلہ، حق وصداقت کی وہ رفعتیں عطا کردیں کہ ستارے ان کی گرد راہ بن گئے، ثریا کی بلندیاں ان سے شرمسار ہو کر رہ گئیں، ملائکہ ان کے جذب ومستی کی تقلید نہ کر سکے، غرض یہ کہ ’’**اقرأ باسم ربك**‘‘ کی ندائے ربانی اور ’’ **قولوا لا اله الله تفلحوا** ‘‘ کے نعرہ حق سے مردہ انسانیت کے وجود سے ایک خداشناس، تاریخ ساز، مشتری شکار دور کا آغاز ہوا، دنیا نے نئی کروٹ لی، اسلام نے جو ہمہ گیر انقلاب برپا کیا تھا، اس کی بنیاد تعلیمات نبوی پر تھی، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کیا خوب نقشہ کھینچا ہے:

’’عرب کے بدوؤں اور قریش کے رئیسوں دونوں کے لئے آپ کی بعثت تھی، اس لئے آپ کی تعلیمات میں پست کو بلند اور بلند کو بلند تر بنانے کی برابر ہدایات ہیں، آج یہی چیز ہے کہ افریقہ کے وحشیوں میں اسلام اپنی تعلیمات کے ساتھ جانا جاتا ہے، اور ان کو متمدن اور مہذب بنانے کے لئے مذہب سے باہر کسی تعلیم کی اس کو ضرورت پیش نہیں آئی، لیکن عیسوی مذہب کے چند اخلاقیات کو چھوڑ کر جن کا ماخذ انجیل ہے، عقائد پادریوں کی کونسلوں سے، دعائیں اور عبادات کلیسا کے حکمرانوں سے، تہذیب وتمدن کی تعلیمات یورپ کے بے دینوں اور ملحدوں سے حاصل کرنی پڑتی ہیں، لیکن اسلام محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کچھ نہیں، عقائد ہوں کہ عبادات ودعائیں، اخلاق ہوں کہ آداب تمدن، خانگی معاملات ہوں یا لین دین کے کاروبار، انسانوں کے ساتھ معاملہ ہو یا خدا کے ساتھ، سب کا ماخذ رسول اللہ ﷺ کی

ہمہ گیر تعلیمات ہیں‘‘ (سیرت النبی ۴؍۴۰۳)

محمد عربی ﷺ کی بعثت سے علم ومعارف پر خواص کی اجارہ داری کا دور ختم ہوگیا، انسانیت کی تاریخ میں اس عہد کا آغاز ہوا، جس میں تعلیم یکساں طور پر ہر انسان کی بنیادی ضرورت قرار پائی، امیر وغریب، چھوٹے بڑے، عام وخاص، آزاد وغلام، مرد وعورت سب نے اس کے فیضان سے فائدہ اٹھایا، آپ ﷺ کی آمد سے قبل علم پر خاص خاص طبقات کی اجارہ داری قائم تھی، ہندوستان میں پنڈتوں اور یورپ میں پادریوں کی حکمرانی تھی، یا بعض امراء وخواص سے صرف پڑھ سکتے تھے، بعثت نبوی کے عالمگیر وہمہ گیر انقلاب نے اس اجارہ داری کا خاتمہ کر کے تعلیم کو عام کیا، اور ہر انسان کی بنیادی ضرورت قرار دیا، یہ دراصل تاریخ انسانی کا عظیم انقلاب تھا،

عہدِ نبوی کا نظامِ تعلیم

آپ ﷺ نے جس نظام کے ذریعہ دنیا کی کایا پلٹ دی، انسانیت کے چمن کو گلزار بنادیا، اس نظام میں چار چیزیں بنیادی طور پر داخل تھیں۔

۱- تلاوت کتاب

۲- تزکیۂ نفوس

۳- تعلیم الکتاب

۴- تعلیم الحکمہ

قرآن مجید نے اس ترتیب کو اس طرح بیان کیا ہے

’ھو الذي بعث فی الأمیین رسولا	وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں کے درمیان
منھم یتلو علیھم آیاته ویزکیھم	انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کیا، جو ان کے
ویعلمھم الکتاب والحکمة و ان	سامنے اس کی آیات تلاوت کرتا ہے، اور ان کا
کانوا من قبل لفی ضلال مبین‘‘	تزکیہ کرتا ہے، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا
سورة الجمعه	ہے، اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے

ایک اور جگہ اسی کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

لَقَدُ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤمِنِينَ إِذُ بَعَثَ فِيهِمُ رَسُولًا مِّنُ أَنفُسِهِمُ يَتُلُو عَلَيُهِمُ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمُ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالُحِكُمَةَ وَإِن كَانُواُ مِن قَبُلُ لَفِيُ ضَلاَلٍ مُّبِيُنٍ (آل عمران

اللہ نے اہل ایمان پر احسان فرمایا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمایا جو ان کے سامنے اس کی آیات تلاوت کرتا ہے، اور ان کا تزکیہ کرتا ہے، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے

یہ وہ تعلیمی انقلاب اور نظام تھا جو بنیادی طور پر ان چار نکات میں منحصر بیان کیا گیا ہے، اس کی عملی تشریح خود آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکت اور ان کا اسوہ حسنہ تھا، قرآن مجید کی آیات بتدریج نازل ہوتی تھیں، آپ ﷺ ان آیات کو سکھاتے تھے، قرآنی احکام کی تشریح وتوضیح فرماتے تھے، اور یہ محض خشک تعلیم نہ تھی، بلکہ زندگی کے حسن وجمال اور پاکیزگی کا سامان تھی، آنحضرت ﷺ ان کے قلوب کا تزکیہ اور باطن کو صیقل فرماتے تھے، جس سے یہ تعلیم زندگی کے شب وروز میں عمل کا حصہ اور دل کی تنویر ہوتی تھی، اس سے ان کے دلوں میں خدا کا استحضار، آخرت کا یقین، جنت وجہنم کا یقین، تقوی وتوکل، بے نفسی وخلوص جیسی عظیم صفات پیدا ہوتی تھیں، ان کا علم صرف فلسفہ نہ تھا زندگی کی جیتی جاگتی حقیقت تھا، علم کی تنویر سے پوری زندگی روشن اور ظاہر وباطن یکساں طور پر منور تھے، کتاب الہی اس تعلیم کی اساس وبنیاد تھی، اسوہ نبوی اس کی شرح وترجمانی تھی، پروفیسر محمد اسلم لکھتے ہیں:

''عہد رسالت میں تعلیمات کی بنیاد ''الکتاب'' پر رکھی گئی، اس ''الکتاب'' نے جزیرۃ العرب میں بعد ازاں پورے عالم میں ایک فکری انقلاب کی نیو رکھ دی، جس کے اثرات مشرق ومغرب میں ہر زمانہ میں محسوس کیئے گئے، عہد رسالت کا نظام تعلیم لازمی طور پر قرآن مجید وفرقان حمید ہی کے تابع تھا، ''**ولا تقف ما ليس لك به علم** '' کا اعلان کر کے جہاں اوہام پرستی کی جڑ کاٹ کر علم کی پیروی کا حکم دیا گیا، وہاں ظن وتخمین اور لاطائل قیاسات پر مبنی علوم کو بھی باطل قرار دے دیا گیا'' (اسلامی تعلیم شمارہ ستمبر ۱۹۷۲ء)

مکہ المکرّمہ کا پہلا اسلامی مدرسہ جو دارِارقم کے نام سے موسوم تھا، معلمِ انسانیت اس مدرسہ اول

کے منتظم اور معلم اول تھے، جو کوئی خوش قسمت نورِ ہدایت کو پالیتا، وہ اسی مدرسۂ نبوت میں تعلیم حاصل کرتا تھا، آنحضرت ﷺ کی مجلس سے استفادہ کرتا تھا، بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اکابرین صحابہ، سابقین اولین، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت بلالؓ جیسے مقدس ترین انسان اس مدرسہ کے تلامذہ تھے، اس مدرسۂ نبوت اور تعلیم وہدایت کی خبر پاکر لوگ دور دور سے علم حاصل کرنے آتے تھے، امام مسلمؒ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کا قصہ ذکر کیا ہے کہ کس طرح شوقِ علم میں اپنے شہر سے مکہ آئے، اور اس مدرسۂ نبوت سے فیضیاب ہوئے،

تعلیم انسان کی بنیادی ضرورت

تعلیم انسان کی ایک ایسی ہی بنیادی واہم ضرورت ہے، جس طرح جسم انسانی کو غذا کی ضرورت ہے، اسلام نے اس بنیادی ضرورت کی تکمیل کی جانب خاص توجہ دی ہے، اور تعلیم وتعلم کو ضروری قرار دیا، علم سکھانے والوں کے مقام ومرتبہ کو بیان فرمایا، متعلمین کے لئے طلب علم کے فضائل سنائے، تاکہ تعلیم وتعلم کی فضا قائم ہو، لوگ علم سیکھنے اور سکھانے میں پورے شوق وجذبہ سے لگ جائیں، آج یورپ نے اور مغربی ممالک نے اپنے معاشرے میں تعلیم کو لازم قرار دیا ہے، یہ تصور صرف اسلام کی دین ہے، افسوس اپنے اس سے غافل ہیں اور پرائے غیر محسوس طور سے ہماری متاعِ گم گشتہ کے مالک بن گئے، ہر شخص کا ایک معتد بہ مقدار میں علم حاصل کرنا لازمی وضروری ہے، معاشرہ میں کوئی جاہل نہ رہے، یہ دراصل اسلام کا بنیادی حکم اور ضابطہ ہے، فرمان نبوی ہے'' **طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة** '' علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر ضروری ہے،

بچوں کی تعلیم وتربیت کا اسلام نے خاص اہتمام کیا ہے، ان کی اچھی تعلیم اور دینی تربیت کی ذمہ داری والدین کے سپرد کی ہے، اس ذمہ داری میں کوتاہی پر بازپرس کی جائے گی، ارشاد خداوندی ہے'' **یاایها الذين آمنوا قوا انفسكم وأهيكم نارا** '' اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اسلامی نظام کے اہتمام اور ترتیب کا اندازہ

اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ہادیِ انسانیت نے یہ فرمایا تھا

''مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع، واضربوهم عليها وهم أبناء سبع، (ترمذی، ابو داود)	اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو، اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز چھوڑنے پر سرزنش کرو،

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتیں ہیں۔

۱- حضورؐ نے سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز پڑھوانے کا حکم دیا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بچہ کی اتنی تعلیم سات سال کی عمر سے قبل ہو جانی چاہئے کہ اس میں نماز پڑھنے کی اہلیت پیدا ہو جائے، یعنی بچہ کو نماز کے مبادیات کا علم، اس میں پڑھی جانے والی دعائیں، سورتیں یاد ہو جائیں، یہ ابتدائی عمر میں بچے کی بنیادی تعلیم (Basic Eeducation) کا حکم ہے، اور اس سے بچے کی بنیادی تعلیم اور تربیت کے بارے میں اسلام کے نقطۂ نظر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

۲- دوسرا حکم حضورﷺ نے یہ دیا ہے کہ دس سال میں نماز چھوڑنے پر بچوں کو سرزنش کرو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب تک بچے کا شعور اس حد تک مکمل ہو جانا چاہئے کہ اس کے ذہن میں جزاء وسزا کا تصور پیدا ہو جائے، وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرنے لگے، وہ اپنے آپ کو ایک آزاد ''معاشرتی حیوان'' نہ سمجھے بلکہ اتنی تعلیم ہو جانی چاہئے کہ وہ فرائض سے کوتاہی نہ کرے، اور اسے اس کا احساس ہو کہ فرائض میں کوتاہی قابل سزا ہے،

۳- شریعتِ اسلامی نے بالغ ہو جانے پر احکام کا مکلّف قرار دیا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے ﴿وإذا بلغ الأطفال منكم الحلم فليستاذنوا كما استاذن الذين من قبلهم﴾ جب بچے بالغ ہو جائیں تو چاہیے کہ وہ گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت حاصل کریں، اس حکم کے ذریعہ اللہ تعالی نے بالغ ہونے کے بعد بچوں کو ان احکام کا مکلّف قرار دیا ہے، جن کے مکلّف بڑے لوگ ہیں، یعنی بلوغ کے بعد بچہ احکام کا مکلّف ہو جاتا ہے، وہ اب معاشرہ میں باقاعدہ ایک ذمہ دار فرد کی حیثیت رکھتا ہے، شریعت اسکو نکاح کا، خرید وفروخت کا، معاملات کا

،عبادات کا مکلّف قرار دیتی ہے،اس کے کیۓ ہوۓ تصرفات کو قانونی حیثیت سے نافذ مانتی ہے، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو غزوۂ خندق کے موقع پر حضورﷺ نے جنگ کرنے اجازت دی تھی ، اور اس وقت انکی عمر پندرہ برس تھی ،اس کا مطلب یہ ہوا کہ پندرہ سال کی عمر تک ایک شخص جن احکام کا مکلّف ہو جاتا ہے اسے کم ازکم ان احکام کے مبادیات سے واقف ہونا ازحد ضروری اور لازمی ہے ،گویا پندرہ سال کی عمر میں ہر شخص کو شریعت کے احکام کی عمومی معلومات حاصل کر لینا چاہیۓ ،اس کے بغیر چارہ نہیں ،

اس مرحلہ کے بعد اب انسان کو اختیار ہے کہ ذوق ومزاج کے اعتبار سے وہ کیا مشغولیت اختیار کرتا ہے ، کسی خصوصی فن کو سیکھنا چاہتا ہے، اور اس میں ترقی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، یا بس اسی پر اکتفا کرتا ہے ،اتنی مقدار میں علم حاصل کرنا تو ضروری ہے، جس سے اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو ادا کر سکے، اس کے آگے اختیار ہے،حضورﷺ کے ارشادِ گرامی کا یہی مطلب ہے، آپﷺ نے فرمایا''**طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة** ''علم سیکھنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، (ابن ماجہ ا/ ۸۱ رقم الحدیث ۲۲۴)

اس ضروری علم کے بغیر چارہ نہیں ہے،اتنا تو اسلامی معاشرہ کے ہر فرد پر علم حاصل کرنا فرض ہے ،اگر عبادت لازمی اور فرض وواجب ہے،تو اسکے متعلق علم کا حصول بھی فرض قرار دیا گیا، بلکہ حضرت عمرؓ نے تو سرکاری فرمان کے ذریعہ حصولِ علم کو لازمی قرار دیا تھا ،انہوں نے حضرت سفیانؓ کی قیادت میں ایک جماعت کو متعین کیا تھا کہ عربی قبیلوں کا دورہ کریں، اور ہر مسلمان کا امتحان لیں جس کو قرآن مجید یاد نہ ہو،سزا دیں ،حضرت عمر نے ایک متعین نصاب تک مقرر کر دیا تھا ،جس کا پڑھنا ضروری تھا،عبدالرزاق نے مصنف میں نقل کیا ہے،

عن عمر رضي الله عنه قال: لا بد للرجل المسلم من ست سور يتعلمهن، سورتين لصلاة الصبح، و سورتين للمغرب، وسورتين لصلاة العشاء، (اخرجه عبد الرزاق شرح حياة الصحابة ٣/ ٦٧٣)

''حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہر مسلمان کے لئے کم ازکم چھ قرآنی سورتوں کا یاد کرنا ضروری

ہے، دو فجر کے لئے، دو مغرب کے لئے اور دو عشاء کے لئے''

امام بیہقی اور حاکم نے مسور بن مخرمہ کی روایت نقل کی ہے:

عن المسور بن مخرمة أنه سمع عمر بن الخطابؓ يقول: تعلموا سورة البقرة، وسورة النساء، وسورة المائدة وسورة الحج، وسورة النور، فإن فيهن الفرائض (رواه البيهقي والحاكم۔شرح حياة الصحابة ۳/۲۷۳)

حضرت مسور بن مخرمہؓ سے روایت ہے، انہوں حضرت عمرؓ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ سورہ بقرہ، سورہ نساء، سورہ مائدہ، سورہ حج، اور سورہ نور سیکھو، ان سورتوں میں فرائض کا بیان ہے

سعید بن منصور نے حضرت عمر کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے''**علموا نسائكم سورة النور (رواه سعيد بن منصور فى سننه الدر المنثور للسيوطي ۶/۲۴)**

اپنی عورتوں کو سورہ نور سکھاؤ،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے انسانوں کی بنیادی ضرورت تعلیم کا خاص خیال رکھا اور اس کے بارے میں ہدایات دی ہیں، ایک صاحب ایمان شخص اپنے دین وفرائض پر بغیر علم کے عمل کر ہی نہیں سکتا، امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطابؓ کی بصیرت وفراست، اور مقاصد شریعت پر گہری نظر کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے متعین طور پر مذکورہ بالا سورتوں اور آیات احکام کا سیکھنا لازمی قرار دیا تھا، اور بسا اوقات واجبی تعلیم میں کوتاہی وغفلت پر سزا کا نظام قائم کیا تھا،

مدرسہ نبوت میں تعلیم کا طریقہ کار

مدینہ منورہ کی درسگاہِ نبوت ''صفہ'' کے طریقۂ تعلیم کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ مدرسۂ نبوت میں تعلیم کے دو طریقہ تھے۔

۱- ایک یہ کہ دس بیس دن یا مہینہ دو مہینہ رہ کر عقائد اور فقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے، اور اپنے قبائل میں واپس چلے جاتے تھے، اور ان کو تعلیم دیتے تھے، مثلاً مالک بن الحویرثؓ جب سفارت لے کر آئے تو بیس دن قیام کیا اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی، جب چلنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا''**ارجعوا الى أهليكم فعلموهم، ومروهم، وصلوكما**

رأيتموني أصلى (بخاري باب رحمة البهائم) اپنے خاندان میں واپس جاؤ، ان میں رہ کران کواوامرِ شریعت کی تعلیم دو، اور جس طرح مجھکو نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو۔

۲- دوسرا مستقل طریقہ درس کا تھا، یعنی لوگ مستقل طریقہ سے مدینہ میں رہتے تھے ،اورعقائدِ شریعت اور اخلاق کی تعلیم پاتے تھے،ان کے لئے صفہ خاص درسگاہ تھی، اوراس میں زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے، جو تمام دنیوی تعلقات سے آزاد ہوکر شب وروز زہد وعبادت اور زیادہ تر خدمتِ علم میں مصروف رہتے تھے۔ (سیرۃ النبی ۲/ ۸۹،دارالمصنفین اعظم گڑھ)

اس سے معلوم ہوا کہ قرنِ اول میں تعلیم کے دو منہج تھے، ایک تو یہ کہ مختصر وقت کے لئے حسب ضرورت لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر علم حاصل کرتے ،ضروری مسائل دریافت کرتے تھے، اوراپنے علاقوں یا گھروں کوواپس چلے جاتے تھے، دوسرا یہ کہ بعض لوگ اپنے آپ کوعلم کے لئے فارغ کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں رہتے تھے، اور آپ ﷺ سے علم حاصل کرتے تھے، بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ایک معتد بہ مقدار میں علم حاصل کرنا سب کے لئے ضروری تھا، اور باقی مکمل فراغت کے ساتھ شرعی مسائل اور فقہ وسنت میں اختصاص کے لئے بھی کچھ لوگ درسگاہ نبوت میں رہتے تھے،اس کا اشارہ قرآن مجید کی اس آیت میں بالکل صاف اور واضح ہے۔

﴿شهدالله أنه لا إلٰه إلا هو والملائكة وأولو العلم قائما بالقسط﴾ ''اللہ شہادت دیتا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، فرشتے بھی اس کے گواہ ہیں اور اہلِ علم بھی'' ظاہر کہ توحید سے کوئی مستثنی نہیں ہے، اور توحید الہی پر اہلِ علم کی شہادت کا مطلب یہ ہوا کہ ایک متعین حد تک علم سیکھنا سب کیلئے ضروری ہے، فرائض اور حلال وحرام کا جاننا ہر شخص کے لئے ضروری ہے، بغیر اس کے انسان دین پر عمل نہیں کرسکتا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے کوئی کلمہ گو مستثنی نہیں ہوسکتا۔

دوسرا نصاب ونظام خاص لوگوں کے لئے تھا، اس کا اشارہ بھی قرآن مجید نے ان الفاظ میں کیا ہے: ﴿فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين و لينذروا

قومهم إذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون ﴾ ایسا کیوں نہیں ہوا کہ ہر طبقہ سے ایک خاص جماعت دین کا گہرا علم حاصل کرنے کے لئے طلب علم کے راستہ میں نکل جائے، تا کہ وہ لوگ اپنی قوم کو آگاہ کریں جب ان کے پاس واپس جائیں،

درسگاہ نبوت کا نظم وانتظام:

مدرسہ صفہ میں بہت سے صحابہ وطالبان علم قیام کرتے تھے، اور یہ ان کے لئے ایک اقامتی ادارہ تھا، آپ ﷺ کی خدمت میں طالبان علوم مستقل بھی رہتے تھے، دین اور مسائل کی تعلیم حاصل کرتے تھے، احادیث سیکھتے اور ضبط کرتے تھے، تعلیم وتعلم کے لئے فارغ ہوتے تھے، مدرسہ صفہ ان کی قیام گاہ تھی، اسی طرح مختلف علاقوں سے لوگ وفود کی شکل میں آتے، مختلف علاقوں سے افراد حاضر خدمت ہوتے تھے، ضروری سوالات کرتے، دینی مسائل معلوم کرتے اور واپس چلے جاتے تھے، بعض لوگ کچھ مختصر مدت قیام بھی کرتے تھے، ان کے لئے آپ تعلیم کا، قیام کا، کھانے وغیرہ انتظام فرماتے تھے، کتانیؒ کی ''التراتیب الادارية'' میں اس کی تفصیل اچھی طرح ذکر کی گئی ہے، آپ ﷺ ان کو ان مسائل کی تعلیم دیتے تھے، جو ان کے لئے ضروری ہیں، یا بسا اوقات سائل کے جواب میں آپ ﷺ مخاطب اور اس کی ضرورت کا خیال فرماتے ہوئے جواب دیتے، اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ نظام نبوی میں طلبہ کی رعایت ملحوظ ہوتی تھی، ان کی ضرورت اور وقت کا بھی خیال ہوتا تھا، گویا آپ ﷺ کا تعلیمی نظام وہ تھا جس کو آج ہم ''طفل مرکوز نظام تعلیم'' Student Centric Syestem کہہ سکتے ہیں، اس میں متعین نصاب اور مقدار نہیں ہوتا ہے، بلکہ طالب علم کی ضرورت، استعداد، وطلب ملحوظ ہوتی ہے، ہمارے مدارس اور تعلیمی اداروں میں اب صرف عموما نصابی منہج تعلیم Syllabus Centric Syestem باقی رہ گیا ہے، جس میں نصاب، کتابیں، مضامین، مقدار وغیرہ سب امور متعین و طے شدہ ہوتے ہیں، کیا ہی اچھا ہوا گر ہم اپنے نظام میں معاشرے کے دیگر مشغول افراد کے لئے بھی کچھ نظام ایسا مرتب کریں کہ چشمہ کتاب وسنت، اور فیضان علم نبوی سے کوئی محروم نہ رہ سکے۔

علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے:

اصولی زبان میں کہا جا سکتا ہے کہ ایک مختصر مدتی نصاب تھا، جو فرضِ عین (Strict obligation) تھا، اور دوسرا طویل مدتی نصاب جو کہ فرضِ کفایہ (GENERAL OBLIGATION) تھا، اگر مذکورہ احادیث اور عہدِ اول کی روشنی میں نصابِ فرضِ عین کا مطالعہ کیا جائے تو درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱- کم از کم اتنا علم جس کے ذریعہ سے اس کی نمازیں وعبادات درست ہوں سیکھنا ضروری تھا۔

۲- اخلاق، معاشرت، معیشت، تجارت، حلال وحرام، وغیرہ احکامات کے متعلق عمومی معلومات ہر اس شخص کے لئے ضروری تھیں جو ان کا مکلّف ہو۔

۳- انسان پر جو فرائض و ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کی معلومات کا حاصل کرنا ضروری تھا۔

۴- عورتوں کے لئے اس کے ساتھ ساتھ انکی گھریلو زندگی اور خانگی امور سے متعلق بنیادی معلومات کا حصول ضروری تھا، علامہ کتانیؒ نے ''التراتیب الاداریۃ'' میں لکھا ہے:

''حکی الامام الشافعی فی الرسالة والغزالی فی الاحیاء الاجماع علی أن المکلف لا یجوز له أن یقدم علی أمر حتی یعلم حکم الله فیه،قال القرافی فی الفروق: فمن باع یجب علیه أن یتعلم ماعینه الله وشرعه فی البیع، ومن آجر وجب علیه أن یتعلم ما شرعه الله فی الاجارة، ومن قارض وجب علیه أن یتعلم حکم الله فی القراض،ومن صلی وجب علیه أن یتعلم حکم الله فی الصلاة
(التراتیب الاداریۃ ۱/۱۶)''

امام شافعی نے الرسالہ میں اور غزالیؒ نے احیاء العلوم میں علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ مکلّف شخص کے لئے کوئی کام اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک خدا کا حکم اس کے متعلق نہ جان لے، علامہ قرافیؒ نے کتاب الفروق میں لکھا ہے، جو خرید وفروخت کرتا ہے، اس کے لئے خرید وفروخت کے

شرعی احکام جاننا ضروری ہیں، جو اجارہ کے معاملات کرتا ہے، اس کے لئے اجارہ کے احکام جاننا ضروری ہے، جو قرض کا معاملہ کرتا ہے، اس کو قرض کے احکام کی واقفیت ضروری ہے، جو نماز پڑھتا ہے، اس کو نماز کے مسائل واحکام جاننا لازم ہے،

انسان جس چیز کا مکلّف ہے، زندگی کے مختلف شعبوں میں کوئی کام کرنا چاہتا ہے، اس کا شرعی علم، اسلامی احکام جاننا اس کے لئے ضروری ہے، علماء نے اس کو فرض عین قرار دیا ہے، علامہ کتانی نے امام شافعیؒ کے واسطہ سے لکھا ہے: ''**طلب العلم قسمان: فرض عين وفرض كفاية، ففرض العين علمك بحالتك التى أنت فيها، فرض الكفاية ما عدا ذلك** '' طلب علم کی دو قسمیں ہیں، ایک فرض عین، دوسری فرض کفایہ، جس حالت میں ایک مکلّف شخص ہے اس کے بارے میں شرعی حکم جاننا فرض عین ہے، اس کے علاوہ زائد علم فرض کفایہ ہے'' علامہ کتانیؒ نے آگے آنحضرت ﷺ کا اہتمام ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''**كان يعلم كل من يتعاطى عملا أحكامه وتكاليفه** '' آپ ﷺ ہر اس شخص کو جو کوئی کام کرنا چاہتا تھا، اس کے بارے میں شرعی حکم اور شرعی ذمہ داری کی تعلیم دیتے تھے'' اسی وجہ سے حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول کہ وہ بازار میں دیکھتے اور نگرانی فرماتے تھے، جو شخص بیع وشراء کے احکام، اور حلال وحرام کی بنیادی معلومات کے بغیر تجارت کرتا تھا اس کو کوڑے لگاتے تھے، اس لئے کہ جو شخص احکام شرعیہ کی واقفیت کے بغیر تجارت کرے گا، وہ حرام میں ملوث ہوسکتا ہے، سود کی باریکیوں کو نہیں جان سکتا، کتانیؒ نے ابوطالب مکی کے حوالے سے نقل کیا ہے: ''**كان عمرؓ يطوف بالاسواق، ويضرب بعض التجار بالدرة، ويقول: لا يبع فى سوقنا من لم يتفقه والا أكل الربا، شاء أو أبى** '' حضرت عمر بن خطابؓ بازار میں گشت کرتے تھے، اور بعض تاجروں کو سزا دیتے تھے، اور فرماتے تھے بازار میں ایسا شخص دوکان نہ کھولے جو خرید وفروخت کے شرعی احکام نہ جانتا ہو، ورنہ وہ دانستہ یا نادانستہ سود کھائے گا'' (التراتیب الاداریۃ ۱/۱۷)

اس کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے کام، اور ذمہ داری کے متعلق

شرعی علم حاصل کرنالازمی وضروری ہے،فرائض ومبادیات دین کا جاننا ہر شخص کے لئے ضروری ہے یہی تصور آغاز اسلام سے بعد کی صدیوں تک جاری تھا،

صاحب ہدایہ علامہ مرغینانیؒ نے ایک نکاح کے بیان میں ایک فقہی مسئلہ ذکر کیا ہے، مسئلہ یہ ہے کہ اگر نابالغ بچوں کا نکاح باپ اور داد کے علاوہ کوئی اور سرپرست کر دیتا ہے،تو بچوں کو بلوغ کے بعد یہ اختیار رہوتا ہے کہ وہ اپنا نکاح فسخ کر دیں یا اس کو باقی رکھیں،اب اس ضمن میں صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ اگر نابالغ بچی کا نکاح باپ اور دادا کے علاوہ کسی دوسرے سرپرست نے کر دیا تھا،تو اگر اس کو اپنے نکاح کا علم ہے،بالغ ہوتے ہی اس نے اس نکاح پر سکوت کا اظہار کیا،اور کوئی ایسا ردعمل جس سے ناراضگی ظاہر ہونہ اختیار کیا تو اس کا خیار ختم ہو جائے گا،اور یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اس نکاح سے خوش ہے، یہ ضروری ہے کہ اس کو نکاح کا علم ہو کہ میرا نکاح فلاں سے ہو چکا ہے،اگر اس کو نکاح کا علم ہی نہ ہوتو محض بلوغ سے یہ خیار ختم نہیں ہوتا،اگر اس کو نکاح کا علم تو ہے،مگر یہ نہیں معلوم کہ شریعت نے اس کو یہ اختیار بلوغ کے بعد دیا ہے،تو یہ جہالت اور ناواقفیت معتبر نہیں، کیوں کہ شرعی مسائل کی بنیادی معلومات حاصل کرنے کا اس کے پاس موقع تھا،اگر اس نے یہ علم حاصل نہیں کیا،تو اس میں اس کا قصور ہے، جہالت اور مسائل دین سے ناواقفیت خیار بلوغ کے باقی رہنے کا عذر نہیں ہے،''ولم يشترط العلم بالخيار، لأنها تتفرغ لمعرفة أحكام الشرع،والدار دار العلم،فلم تعذر بالجهل ''(الھدایہ باب النکاح) مجھے یہاں نکاح کے مسائل میں خیار بلوغ کی وضاحت مقصود نہیں البتہ یہ ذکر کرنا تھا، کہ شرعی مسائل کی ناواقفیت کو فقہاء نے دلیل وعذر نہیں سمجھا ،اس کا واضح مطلب یہی تو ہے کہ بنیادی شرعی مسائل سے واقف ہونا ہر ایک کے لئے ضروری ہے، افسوس کہ آج یہ خالص اسلامی تصور غیروں نے اختیار کر لیا ہے اور ضروری تعلیم سے مسلمان غافل ہیں، یہ اہل دانش وارباب مدارس کے لئے ایک چبھتا ہوا سوال ہے کہ انہوں نے نظامِ نبوی کے ایک پہلو فرضِ کفایہ کو تو لے لیا،لیکن مسلمانوں کی عمومی تعلیم جو کہ فرضِ عین ہے،اس کے لئے کیا نظام اور کیا نصاب متعین کیا ہے،آخر اس پہلو کو تشنہ عمل کیوں چھوڑا گیا ہے،اس کا جواب ہمارے پاس کم از کم عملی طور سے نہیں ہے،

بچپن کی تعلیم وتربیت اور سرپرستوں کی ذمہ داری

بچپن میں تحصیل علم کی اہمیت متفق علیہ ہے، بچے کی ابتدائی عمر علم سیکھنے کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہوتی ہے، اسی لئے عربی میں یہ مقولہ مشہور ہے"التعلیم فی الصغر کالنقش علی الحجر " بچپن کی تعلیم پتھر پرنقش کی مانند ہے" گرچہ مدرسہ نبوت میں چھوٹے بڑے، بوڑھے، جوان سب لوگ پڑھتے تھے علم حاصل کرنے میں کسی خاص عمر کی قیدنہیں تھی، جس طرح بلاتکلف بچے پڑھتے تھے اس طرح بڑے لوگ بھی بے حجاب وبے تکلف علم سیکھتے تھے، امام بخاری نے اپنی کتاب میں باب قائم فرمایا ہے" **باب الاغتباط بالعلم والحكمة، وقد تعلم أصحاب رسول الله** ﷺ **في كبر سنهم** "علم وحکمت سیکھنے میں شوق ورغبت کا بیان، صحابہ رسول نے بڑی عمر میں بھی علم حاصل کیا ہے، علامہ کتانیؒ کا بیان ہے:" **والشأن كان عندهم فى طلب العلم صغر السن...... وقال بعض الشيوخ : تعليم الكبير آكد من تعليم الصغير، ولا يقول الكبير، لا أتعلم لأنى لا أحفظ، لان الصحابة تعلموا وهم كبار شيوخ، وكهال، واشتغلوا بالعلم فكانوا بحورا** "

حقیقت تو یہی ہے کہ ان کے اندر بچپن میں تعلیم کا اہتمام تھا، بعض علماء نے فرمایا ہے: بڑوں کی تعلیم چھوٹے بچوں کی نسبت زیادہ ضروری ومؤکد ہے، کوئی معمر شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اب نہیں پڑھ سکتا، میں یاد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، کیوں کہ صحابہ رسول نے بڑھاپے میں، ادھیڑ عمر میں علم حاصل کیا، اور وہ علم ومعرفت کا بحر ذخار بن گئے" معلوم یہ ہوا کہ علم حاصل کرنے کے لئے کوئی عمر خاص نہیں ہے، صحابہ کرام نے بڑی عمر میں بھی علم حاصل کیا، نہ ان کی عمر مانع رہی، نہ مشغولیات نے انہیں روکا، ہاں یہ بات اپنی جگہ اہم ہے کہ بچپن کی عمر طلب علم کے لئے بہترین زمانہ ہے، اس عمر میں تعلیم وتربیت کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے بچپن میں تعلیم وتربیت کی اہمیت پر توجہ دی ہے، بلکہ عملا اس کا ایک زبردست محکم نظام بھی دیا ہے، اگر چہ مدرسۂ نبوت میں بڑی عمر کے لوگ بھی علم حاصل کرتے تھے، جیسا کہ خود امام بخاری نے یہ جملہ تعلیقا اپنی الجامع الصحیح میں نقل کیا ہے﴿ **وقد تعلم أصحاب النبي** ﷺ **في كبر**

سنہم اصحابِ نبی ﷺ بڑی عمر میں بھی علم سیکھتے تھے،

آپ ﷺ بچوں کی تربیت واخلاقی نشو نما، کردار سازی اور تعلیم کا خصوصی خیال فرماتے تھے، آپ ﷺ نے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز پڑھوانے کا حکم دیا، نماز کا اہتمام کرنے اور اس کی عادت ڈالنے کا حکم دیا ہے، بچوں کی تعلیم وتربیت کو اولین ترجیح حاصل ہے، بچوں کی اچھی تعلیم وتربیت کا اہتمام صدقہ ونفل عبادت سے بہتر ہے، ارشاد نبوی ہے:

عن جابر بن سمرةؓ قال قال رسول الله ﷺ : لأن يؤدب أحدكم ولده خير له من أن يتصدق كل يوم بنصف صاع على المساكين"
رواه الطبرانی

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، تم میں کوئی اپنے بچے کو ادب سکھائے، اس کی تربیت کرے، یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ یومیہ نصف صاع غرباء کے لئے صدقہ کرے''

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بچوں کی تربیت وتعلیم کا خاص خیال فرماتے، اور ان کی ہمت افزائی فرماتے تھے، ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے، سیرت نبوی میں اس کے متعدد واقعات ملتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بچوں کی تربیت کا خاص خیال فرماتے تھے،

حضرت انسؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں اپنے ایام طفولت کے دس سال گذارے، انکی والدہ محترمہ اپنے بیٹے کولیکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا'' **هذا أنس يخدمك** '' ''اللہ کے رسول! یہ انس ہے، آپ کی خدمت میں رہے گا'' حضرت انسؓ آپ کی خدمت میں رہے، آپ ﷺ کی تربیت ونگرانی سے فیض حاصل کیا، ایک بچہ جس نے کم وبیش دس سال کا عرصہ حضور ﷺ کی خدمت میں گذارا، وہ آپ کی حسن تربیت اور کریمانہ اخلاق کو اس طرح بیان کرتا ہے:'' **ما مسست ديباجا ولا حريرا ألين من كف رسول الله ﷺ، ولا شممت رائحة قط أطيب من رائحة رسول الله ﷺ، ولقد خدمت رسول الله ﷺ عشر سنين فما قال لی قط :أف، ولا قال لشیء فعلته: لم فعلته، ولا لشیء لم أفعله : ألا فعلت كذا،** '' (متفق علیہ) فرماتے ہیں:

’’میں نے حضورﷺ کے ہاتھ سے زیادہ نرم وگداز کوئی ریشم وحریر نہیں دیکھا، اور نہ حضورﷺ کے جسم مبارک کی خوشبو سے زیادہ حسین کوئی خوشبو سونگھی ہے، میں حضورﷺ کی خدمت میں دس سال رہا، اور اس مدت میں آپﷺ نے مجھ سے کبھی اف تک نہیں کہا، میں نے کوئی کام کیا تو اس پر ڈانٹتے ہوئی کبھی یہ نہیں فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا؟، اگر کوئی کام نہیں کیا تو بھی یہ نہیں فرمایا: تم نے ایسا کیوں نہیں کیا‘‘ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضورﷺ بچوں کی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے کس شفقت ومحبت، اور اخلاق کریمانہ کے ساتھ ان سے پیش آتے تھے، دس سال کی مدت معمولی نہیں ہوتی، بلکہ ایک طویل عرصہ ہوتا ہے، اس طویل مدت میں آپﷺ کے حسن اخلاق وحسن تربیت کا مرقع حضرت انسؓ نے یہ بیان فرمایا ہے، بچوں کے سرپرستوں کو یہ اخلاق سیکھنے چاہئیں۔

بچوں کو اچھی باتیں سکھانے اور ان کو علم سکھانے کا آپﷺ خوب اہتمام فرماتے تھے، آپﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ارشاد فرمایا تھا: ’’**یا غلام انی أعلمك کلمات** ‘‘ اے بچے تمہیں چند باتوں کی خصوصی نصیحت کرتا ہوں، ان کا خیال رکھنا‘‘ اور آپﷺ نے انہیں اسلامی بنیادی عقائد کی تعلیم دی، حضرت عمر بن ابوسلمہ کہتے ہیں ’’**کنت غلاما فی حجر رسول الله ﷺ، وکانت یدی تطیش فی الصفحة، فقال لی رسول الله ﷺ: یا غلام سم الله، وکل مما یلیك** ‘‘ (متفق علیہ) میں آنحضرتﷺ کی گود میں چھوٹا بچہ تھا، کھانا کھاتے ہوئے میرا ہاتھ پلیٹ میں ادھر اُدھر جارہا تھا، آپﷺ نے فرمایا: اے بچے! بسم اللہ پڑھو، اور اپنے سامنے سے کھاؤ‘‘

احنف بن قیس نے حضرت عمرؓ کا ارشاد نقل کیا ہے ﴿**تفقھوا قبل أن تسودوا**﴾ (بخاری کتاب العلم رقم الحدیث ۱۵، مسند دارمی ۱/۷۹) سرداری حاصل کرنے سے پہلے، ذمہ داری عائد ہونے سے پہلے، علم سیکھ لو، کتانیؒ نے اس روایت پر یہ باب قائم کیا ہے ’’**باب فی أمرھم بطلب العلم قبل التزوج** ‘‘ شادی کرنے سے پہلے علم حاصل کرنے کا بیان، اور

فرمایا ہے کہ قاضی عیاضؒ نے بعض علماء سے بخاری کی مذکورہ حدیث کی تشریح میں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شادی کرنے سے پہلے علم حاصل کرلو، تاکہ بعد میں ایسا نہ ہو کہ زندگی کی مشغولیات مہلت نہ لینے دیں، بچوں کی اچھی تربیت اوران کی تعلیم کا اچھا انتظام والدین کی ذمہ داری ہے، امام نوویؒ نے ''المجموع شرح المهذب'' کے مقدمہ میں امام شافعیؒ کا قول ذکر کیا ہے:

قال الشافعي والأصحاب رحمهم الله : على الآباء والأمهات تعليم اولادهم الصغار ما سيتعين عليهم بعد البلوغ،فيعلمه الولي الطهارة والصلاة والصوم ونحوها، ويعرفه تحريم الزنا واللواط والسرقة، وشرب المسكر والكذب والغيبة وشبهها،ويعرفه أن بالبلوغ يدخل فى التكليف ويعرفه ما يبلغ به،وقيل هذا التعليم مستحب،والصحيح وجوبه" (مقدمہ المجموع ۵۰/۱)	امام شافعیؒ اور دیگر اصحاب مذہب نے فرمایا ہے کہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں ان مسائل کی تعلیم دیں جو بالغ ہونے کے بعد ان کے سامنے آتے ہیں، چنانچہ سرپرست کو چاہئے کہ بچے کو طہارت کے احکام، نماز روزہ وغیرہ سکھائے، نیز زنا، لواطت، چوری، منشیات، جھوٹ، اور غیبت وغیرہ کی حرمت وغیرہ سمجھائے، اور بچوں کو یہ بتائیں کہ بلوغ کی عمر کا کیا مطلب ہے، بالغ کیسے ہوتے ہیں، بلوغ کے بعد کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ تعلیم مستحب ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ واجب ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلوغ کی عمر سے پہلے بچوں کی بنیادی دینی تعلیم، فرائض کا علم، حلال وحرام کی بنیادی معلومات، اور بالغ ہونے کے بعد کے مسائل کا علم، اخلاقی تربیت والدین وسرپرستوں کا اہم فریضہ ہے، اگر سرپرست ووالدین اپنی اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں تو دنیا وآخرت میں اس کا وبال دیکھیں گے، اسلام اور تعلیمات نبوی نے براہ راست بچوں کے سرپرستوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے، جس میں کوتاہی پر باز پرس ہوگی، ارشاد

نبوی ہے:''**كلكم راع وكلكم مسؤل عن رعيته**'' تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہیں اور خدا کے دربار میں اس سے اس کی ذمہ داری وفرائض کے بارے میں سوال کیا جائے گا، امام غزالیؒ نے لکھا ہے:

الصبی أمانة عند والديه، وقلبه الطاهر جوهرة نفيسة ساذجة، خالية من كل نقش وصورة، وهو قابل لكل ما ينقش عليه، وقابل الى كل ما يمال به اليه، فان عود الخير عَلِمه وعلمه، ونشأ عليه، وسعد فی الدنيا والآخرة، وشاركه فی ثوابه أبواه، وكل معلم له ومؤدب، وان عود الشر، وأهمل اهمال البهائم، شقی وهلك، وكان الوزر فی رقبة القيم عليه، والوالی له"

بچہ اپنے والدین کے اپاس امانت ہوتا ہے، اس کا دل ایک صاف ستھرے قیمتی ہیرے کی مانند ہوتا ہے، وہ بے غبار اور شفاف ہوتا ہے، اس کے لوح دل پر جو نقش کیا جائے وہ پتھر کی طرح نقش ہو جاتا ہے، اس کا دل نرم ہوتا ہے، جدھر اس کو مائل کیا جائے وہ مائل ہو جاتا ہے، اگر اس کو خیر کا عادی بنایا جائے، اچھی تعلیم دی جائے، وہ اس کو جان لیتا ہے، اور اسی سانچہ میں ڈھل جاتا ہے، دنیا وآخرت میں سرفراز ہوتا ہے اس کا اجر والدین، اور استاد ومربی کو بھی ملتا ہے، لیکن اگر بچہ کی تعلیم وتربیت سے چشم پوشی کی جائے، جانوروں کی طرح چھوڑ دیا جائے، اور وہ شر کا عادی بن جائے، تو وہ خود بھی ہلاک ہوتا ہے، اور اس کا گناہ اس کے والدین وسرپرستوں کی گردن پر ہوتا ہے

والدین کو چاہئے کہ اپنے بچوں کے حقوق کو سمجھیں، اور اس کی ادائیگی کی فکر کریں، وہی ان کا سرمایہ ہیں، غلط تربیت بچوں کو بگاڑتی ہے، ان کے اخلاق وکردار کو متاثر کرتی ہے، بلکہ بچپن میں اگر صحیح تربیت نہ کی جائے تو بچے والدین کے باغی بھی بن جاتے ہیں، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’قال بعض أهل العلم: ان الله سبحانه وتعالى يسأل الوالد عن ولده يوم القيامة،قبل أن يسأل الولد عن والده،فانه كما أن للأب على ابنه حقا، فللابن على أبيه حقا،...... فمن أهمل تعليم ولده ما ينفعه وتركه سدى،فقد أساء غاية الاسائة،وأكثر الأولاد جاء فسادهم من قبل الآباء،واهمالهم له،وترك تعليمهم فرائض الدين وسننه،فأضاعوهم صغارا فلم ينتفعوا بأنفسهم،ولم ينفعوا آبائهم كبارا،كما عاتب بعضهم ولده على العقوق،فقال : يا أبت انك عققتني صغيرا،فعققتك كبيرا،وأضعتني وليدا فأضعتك شيخا‘‘

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اللہ تعالی قیامت کے دن اولاد سے والدین کے حق کے بارے سوال کرنے سے پہلے خود والدین سے اولاد کے بارے میں سوال فرمائے گا ، جس طرح والدین کا بیٹے پر حق ہوتا ہے،ویسے ہی اولاد کا والدین پر حق ہوتا ہے، جو اپنے بچہ کی تعلیم وتربیت کا خیال نہ رکھے،اور مفید تعلیم نہ دے ،بچوں کو ایسے ہی چھوڑ دے،اس نے انتہائی برا کام کیا ہے، اکثر بچے اس لئے بگڑ جاتے ہیں کہ والدین نے ان کی تربیت کی فکر نہیں کی ،ان کو فرائض دین اور سنت کا علم نہیں سکھایا، سرپرست بچوں کو بچپن میں ضائع کردیتے ہیں، تو بچے بڑے ہوکر والدین کے کام نہیں آتے ، کسی نے اپنے بیٹے کو نافرمانی پر تنبیہ کی،تو بیٹے نے برجستہ جواب دیا؛ آپ نے بچپن میں میری فکر نہیں کی، میرے حقوق کو ضائع کردیا، اب میں آپ کا نافرمان بن گیا تو میرا کیا قصور!

ابو اللیث سمرقندی نے تنبیہ الغافلین میں ایک روایت ذکر کی ہے،اگر چہ روایت سندا ضعیف ہے،تاہم اپنے معنی میں بالکل معقول ہے:

وروى عن عمرؓ أن رجلا جاء بابنه اليه، فقال ان ابنى هذا يعقنى، فقال عمرؓ للابن: أما تخاف الله فى عقوق والدك، فقال الابن يا أمير المؤمنين: أما للابن على والده حق، قال: نعم، حقه عليه أن يستنجب أمه، ويحسن اسمه، ويعلمه الكتاب، فقال الابن: أما والله انه ما استنجب أمى، ولا حسن اسمى، سمانى جُعلا، ولا علمنى من كتاب الله آية واحدة، فالتفت عمرؓ الى الأب وقال: تقول: ابنى يعقنى، فقدعققته قبل أن يعقك''

حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ ایک شخص ان کے پاس اپنے بیٹے کی شکایت لے کر آیا، کہ میرا بیٹا میرا نافرمان ہے، حضرت عمرؓ نے اس کے بیٹے سے فرمایا: کیا تم اپنے والد کی نافرمانی کرتے ہوئے اللہ سے نہیں ڈرتے، بیٹے نے دریافت کیا، اے امیرالمؤمنین! کیا اولاد کا باپ پر کوئی حق نہیں ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہاں ہے، اولاد کا حق یہ ہے کہ انسان کو چاہئے کہ اپنی اولاد کی پیدائش کے لئے شریف ماں کا انتخاب کرے، اولاد ہونے پر اچھا نام رکھے، اور اسے قرآن کی تعلیم دے، اس بیٹے نے یہ سن کر جواب دیا: خدا کی قسم! میرے باپ نے نہ تو میرے لئے اچھی ماں کا انتخاب کیا، نہ میرا اچھا نام رکھا، میرا نام ''جعل'' (گندگی کا کیڑا) رکھا ہے، اور نہ ہی مجھے کتاب اللہ کی ایک آیت سکھائی، حضرت عمرؓ نے والد سے مخاطب ہوکر فرمایا، اس کے نافرمان بننے سے پہلے تم نے خود اپنے بیٹے کے حقوق کو ضائع کیا ہے

یقیناً والدین کا حق اولاد پر بہت زیادہ ہوتا ہے، کوئی اولاد اپنے والدین کا حق ادا نہیں کرسکتی، وہ اس کی جنت یا جہنم ہیں، ان کی اطاعت وفرمانبرداری اولاد کا فرض ہے، مگر اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اولاد کے بھی کچھ حقوق والدین کی ذمہ داری ہیں، جن میں تعلیم وتربیت سب سے اہم ہے، اگر اس کا خیال نہ رکھا جائے تو اولاد بگڑتی ہے، نافرمان بن جاتی ہے، ان کے صلاح وفساد میں والدین کا نمایاں کردار ہوتا ہے، والدین جیسی تربیت کرتے ہیں ویسے ہی نتائج مرتب ہوتے ہیں، علامہ دینوریؒ نے ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہؓ اپنے بیٹے پر خفا

ہوگئے تھے،اوراس سے بات کرنا ترک کردیا تھا،تو حضرت احنف بن قیسؓ نے ان کومخاطب کرکے فرمایا تھا:

عن عطاء بن السائبؒ قال: غضب معاويةؓ على ابنه،فهجره،فقال له الأحنف بن قيسؓ: يا أمير المؤمنين! أولادنا ثمار قلوبنا،وعماد ظهورنا، ونحن لهم سماء ظليلة، وأرض ذليلة،ان غضبوا فارضهم، وان سألوا فأعطهم،وان لم يسألوك فابتدئهم، يمنحوك ودهم،ويحبوك دهرهم، ولا تنظر اليهم شزرا،ولا تكن عليهم ثقيلا ،فيتمنوا وفاتك ،ويكرهوا قربك،ويملوا حياتك''

حضرت عطاء بن سائب سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ اپنے بیٹے سے ناراض ہوگئے، اورانہوں نے بیٹے سے بات کرنا ترک کردیا، حضرت احنف بن قیسؓ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! ہمارے بچے ہمارے جگر گوشے ہیں،اور ہمارے پشت پناہ ہیں، ہم ہی ان کے لئے سایہ آسماں اورگہوارۂ ارض ہیں،اگر وہ ناراض ہوجائیں، تو آپ انہیں راضی کریں،اگر وہ آپ سے کچھ مانگیں تو آپ انہیں عطا کریں،اگر وہ نہ مانگیں تو ازخود انہیں اپنی طرف سے عطا کریں،وہ آپ کے لئے اپنا خلوص نچھاور کریں گے،اور آپ سے ہمیشہ محبت کریں گے،آپ کی ان طرف تیکھی نظر سے نہ دیکھیں،آپ ان کے لئے سخت گیر نہ بنیں، کہ وہ آپ کی موت کی تمنا کرنے لگیں،اور آپ سے وحشت محسوس کرنے لگیں، اور آپ کی زندگی سے اکتا جائیں،

بہر حال ماں باپ کی ذمہ داری بچوں کی تعلیم وتربیت،اخلاقی نگہداشت،اوران کی سیرت وکردار کی تعمیر لئے انتہائی اہم اورنازک ہے،آنحضرت ﷺ نے بچوں کی تعلیم وتربیت بلکہ ان کی جسمانی صحت وتندرستی (Physical Fitness) کاخیال رکھنے کو والدین کی ذمہ داری قرار دیا ہے،امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت ابورافعؓ کی حدیث نقل کی ہے،حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:'' **حق الولد على الوالد أن يعلمه الكتابة،والسباحة والرمى**''

اولاد کا باپ کے اوپر یہ حق ہے کہ انہیں لکھنا پڑھنا سکھائے، اور تیراکی و تیراندازی سکھائے، بعض روایات میں اخلاقی تربیت کے تعلق سے یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں، ''**أن یحسن اسمه، ویزوجه اذا أدرك** ''والدین کو چاہئے بچوں کا اچھا نام رکھیں، اور بالغ ہونے پر شادی کردیں، بعض روایات میں ہے: ''**وأن لا یرزقه الا طیبا** ''انہیں صرف حلال کمائی سے کھلائیں'' ظاہر ہے کہ ان تمام چیزوں کا اثر بچوں کی شخصیت اور ان کے اخلاق و کردار پر بہت گہرا ہوتا ہے،

فرض کفایہ علم کے بعد ذوق و مزاج کے مطابق علم کا حصول:

بچوں کی تعلیم و تربیت کے بارے میں سرپرستوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ خود بچہ کا ذوق و مزاج، رجحان و میلان کیا ہے، اس کی صلاحیت کس چیز کی غماز ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ والدین و سرپرستوں کی جو خواہش ہے وہی بچہ کی رغبت بھی ہو، ایک حد تک شرعی بنیادی تعلیم واجب ہے، اس کے بعد اختیار ہے کہ ذوق و مزاج اور اپنی رغبت و ضرورت کے پیش نظر کسی خاص موضوع میں تخصص حاصل کیا جائے، اسلام کی بنیادی شرعی تعلیم کے بعد ذمہ داروں و سرپرستوں کو دیکھنا چاہئے کہ بچہ کی صلاحیت، ذوق و مزاج، رجحان و میلان کیا ہے، اللہ تعالی نے اس میں کیا صلاحیت رکھی ہے، اگر بچہ کی تربیت اس کی صلاحیت اور اس میں ودیعت کردہ صفات و رجحان کی روشنی میں کی جائے تو اس کے بہت اچھے نتائج ہوتے ہیں،

اللہ تعالی نے انسانوں کو مختلف صلاحیتوں Intelligences سے نوازا ہے، جس شخص کو جس صلاحیت اور خصوصیات کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، اس کے لئے وہی کام آسان بنایا ہے، اسی میدان میں اس کے جوہر نکھرتے ہیں اور اس کی صلاحیتیں صیقل ہوتی ہیں، آنحضرت ﷺ کا طریقہ تربیت یہ تھا کہ جس کے اندر جس طرح کی صلاحیت تھی، آپ نے اس کی اسی صلاحیت کو ابھارا، اسی کو مہمیز کیا، بالفاظ دیگر اس کی intelligency کا خیال رکھا، امام ابن القیم نے اس بارے میں کیا خوب لکھا:

"**ومما ینبغی أن یعتمد حال الصبی، وما هو مستعد له من الأعمال**

ومهيأ له منها، فيعلم أنه مخلوق له،فلا يحمله على غيره،ما كان مأذونا فيه شرعا،فانه ان حمل على غير ماهو مستعد له لم يفلح فيه،وفاته ما هو مهيأ له، فاذا رأه حسن الفهم صحيح الادراك،جيد الحفظ واعيا، فهذا من علامات قبوله وتهيئه للعلم،لينقشه فى لوح قلبه،مادام خاليا، فانه يتمكن فيه، ويستقر ويزكو معه، وان رأه بخلاف ذلك من كل وجه،وهو مستعد للفروسية وأسبابها من الركوب والرمى واللعب بالرمح،وأنه لا نفاذ له فى العلم ولم يخلق له، مكنه من أسباب الفروسية والتمرن عليها،فانها أنفع له وللمسلمين،وان رأه بخلاف ذلك وأنه لم يخلق لذلك، ورأى عينيه مفتوحة الى صنعة من الصنائع مستعدا لها قابلا لها،وهى صناعة مباحة نافعة للناس، فليمكنه منها، هذا كله بعد تعليمه ما يحتاج اليه فى دينه،

''بچہ کی حالت،استعداد اور اس کے اندر ودیعت کردہ صلاحیت کا خیال رکھنا چاہئے،اور یہ جاننا چاہئے کہ وہ اپنی صلاحیت کے مطابق اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے،لہذا اس کو اس کی صلاحیت وذوق کے خلاف جب تک شرعا گنجائش ہو مجبور نہیں کرنا چاہئے، کیوں کہ اگر اس کی صلاحیت کے خلاف اس کو ابھارا جائے گا،اس کے ذوق کے خلاف آمادہ کیا جائے گا،تو اس بچہ کو کامیابی نہیں ملے گی،اور وہ مقاصد فوت ہو جائیں گے جن کے لئے اس میں استعداد موجود تھی، اگر بچہ کے اندر عمدہ فہم،صحیح ادراک،بہترین حفظ و یادداشت کی صلاحیت ہے وہ اس کے قبول علم کی صلاحیت واستعداد کی غماز ہے،اس کے لوح قلب پر علم کو منقش کرنا چاہئے،جب تک اس کے دل کا آئینہ بے غبار ہو، اگر بچہ میں یہ ذوق نہ نظر آئے ، بلکہ اس کے خلاف دکھائی دے، اس میں شہسواری، تیر اندازی،نشانہ بازی،شمشیر زنی کی صلاحیت و میلان معلوم ہو،اور ایسا نہ محسوس ہوتا ہو کہ وہ علمی ذوق رکھتا ہے،یا علمی کام کی اس میں صلاحیت ہے،ایسے بچہ کو شہسواری اور اس کی مشق میں آگے بڑھانا چاہئے،یہ اس کے لئے بھی مفید ہے اور عام اہل اسلام کے حق میں بھی اس

کی صلاحیت سے استفادہ کے لئے یہی بہتر ہے، اگر یہ ذوق ورجحان اور صلاحیت بھی بچہ میں نہ ہو، اور کسی صنعت وپیشہ کی جانب اس کا ذوق معلوم ہوتا ہو، اور وہ ہنر وصنعت مفید ومباح ہے، تو بچہ کے لئے اسی کی راہ ہموار کرنا چاہئے، اور اس کو اسی میدان میں قدرت وکمال پیدا کرنے کا موقع دینا چاہئے، یادر ہے کہ یہ سب بقدر ضرورت دینی تعلیم کے بعد کرنا چاہئے''

(تحفۃ المودود، ص:۱۹۶)

اب یہ خیال کرنا کہ ہر بچہ کو عالم ومفتی ہی بننا ضروری ہے، یا علم دین سے کلی طور پر صرف نظر کرکے دیگر فنون وعلوم ہی طرف توجہ دینا ہے، یہ خلاف فطرت بھی ہے اور اسلامی ونبوی ذوق کے خلاف بھی، اللہ نے خلافت ارضی کے نظام کو چلانے اور اس کو سنبھالنے کے لئے انسانوں کو مختلف صلاحیتوں اور رجحانات کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، ہر شخص کی صلاحیت وذوق کے مطابق تربیت کرنا اور اس کو صیقل کرکے مفید بنانا اسلامی ونبوی نظام کا حصہ ہے، حضور ﷺ نے صحابہ کرام کی تربیت وشخصیت سازی میں ان کی صلاحیتوں کا خیال فرمایا ہے، اور جس کے اندر جو صلاحیت تھی اسی کو صیقل کیا، اور اس کے جوہر کو چمکایا، بلکہ بسا اوقات ذمہ داریاں دینے میں صحابہ کی صلاحیتوں کا خیال رکھا، ان سے ان کی صلاحیتوں کے مطابق کام لیا، حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کا خطاب عطا فرمایا، حضرت عمرؓ کو فاروق کا لقب دیا، حضرت خالد خالد کو سیف اللہ فرمایا، حضرت حسان بن ثابت کی نعت گوئی اور زبان کی تعرف فرمائی، حضرت ابوذر غفاریؓ تنہائی پسند مزاج (Intra personal) شخصیت کے مالک تھے، ان سے فرمایا تھا ''کبھی تم دو لوگوں پر بھی امیر نہ بننا'' یہ سب بلا وجہ نہیں تھا، بلکہ آپ ﷺ نے ایک ماہر معلم ومربی کی طرح ہر شخص کی صلاحیت کو صیقل کیا، اور ان ودیعت کردہ جوہر کو نکھارا ہے۔

یہ ایک طبعی اور فطری بات ہے کہ اللہ تعالی ہر بچہ کو خاص صلاحیت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، علم نفسیات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ خالق ازل نے انسانوں میں مختلف النوع صلاحیات ودیعت کی ہیں، اگر بچوں کی تربیت میں ان کی نفسیات اور صلاحیت (Intelligency) کا خیال رکھا

جائے تو ان کی قوتیں نکھرتی ہیں، ان کی صلاحیتیں نمایاں ہوتی ہیں، اور وہ تاریخ ساز کردار ادا کرتے ہیں،

پہلا اسلامی مدرسہ دار ارقم

عہدِ اول کا سب سے قدیم مدرسہ ''دار ارقم'' مکہ مکرمہ میں تھا، جہاں مسلمان چھپ چھپ کر جمع ہوتے تھے، اور تحصیل علم وعبادت الٰہی میں مشغول ہوتے تھے، سابقین اولین صحابہ اس مدرسہ کے تعلیم یافتہ ہیں، جنہوں نے تاریخ انسانی میں علم وتمدن کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں، حقیقۃ یہ مدرسہ ایک انقلابی مرکز تھا جہاں کمزور وبے سہارا اہل ایمان فیض نبوی سے استفادہ کرتے، اور دنیا کی پھیلی ہوئی گمراہی سے دور، ضلالت وجہالت، ظلم وبے راہ روی کے اندھیروں میں نور نبوت سے اپنے قلب ودماغ کو منور کررہے تھے، یہ اسلامی سرگرمیوں کا مرکز تھا، یہ وہ پاور ہاؤس تھا جہاں سے انسانی زندگی کو طاقت فراہم کی جاتی تھی، مستدرک حاکم میں ہے ''کان النبی ﷺ یسکن فیھا فی أول الاسلام، وفیھا یدعوالناس الی الاسلام'' آنحضرت ﷺ ابتدائے اسلام میں اسی مرکز میں رہتے، لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے'' (مستدرک حاکم ۳/۵۰۲)

مسلمانوں کے مکہ سے ہجرت کرنے تک یہ مدرسہ سازشوں کے سخت ترین نرغے میں چلتا رہا، اور تعلیم وتربیت کا فریضہ انتہائی ناگفتہ بہ حالات میں انجام دیتا رہا، دراصل مکہ مکرمہ میں دار ارقم کا قیام ایک انقلابی قدم تھا، جس میں تعلیم وتربیت کا نظم تھا، دعوتی منصوبہ بندی وحکمت عملی تیار کی جاتی تھی، باہم مشورے ہوتے تھے، تسبیح ومناجات اور دعاؤں کا اہتمام ہوتا تھا، قرآن وسنت کی تعلیم ہوتی تھی، صحابہ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تھے، گویا یہ مدرسۂ نبوت اسلامی تاریخ کا مکی دور میں ایک اہم سنگ میل تھا، ابوالولید ازرقی کہتے ہیں:

''یجتمع ھو وأصحابه عند الارقم بن أبی الأرقم، یقرأھم القرآن ویعلمھم فیه'' ''حضور ﷺ اور صحابہ دار ارقم میں جمع ہوتے تھے، آپ ﷺ انہیں قرآن پڑھاتے، اور تعلیم دیتے تھے'' یہیں پر مسلمانوں کے مسائل اور مشکلات کے بارے میں مشورے ہوتے

تھے، حل تلاش کیے جاتے تھے، ابن ہشام نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو مکہ کے سنگین مسائل کے پیش نظر خطاب کرتے ہوئے دارارقم میں فرمایا تھا: ''لو خرجتم الی الحبشہ فان بھا ملکا، لا یظلم عندہ أحد، وھی أرض صدق، حتی یجعل اللہ لکم فرجا مما أنتم فیہ'' تم سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کرو، وہاں ایک انصاف پرور بادشاہ کی حکومت ہے، اس کے پاس کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا، وہ سچائی کی سرزمین ہے، یہاں تک کہ اللہ تمہارے لئے کشادگی پیدا فرمادے''

دارارقم مدرسہ اولی بھی تھا، اور مسلمانوں کی ایک پناہ گاہ، عبادت گاہ، اور دارالشوری بھی تھا، اسلام کی سربلندی کے منصوبے اور دعاؤں کا اہتمام یہیں ہوتا تھا، حضرت خباب بن الارتؓ نے حضرت عمر بن خطابؓ کے قبول اسلام کے بعد انہیں خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دارارقم میں یہ دعا کرتے ہوئے سنا تھا: اللھم أید الاسلام بأبی الحکم بن ھشام أو بعمر بن الخطاب '' اے اللہ اسلام کو ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعہ تقویت وتائید عطا فرما''

معلم انسانیت کا طریقہ تعلیم صرف دارِارقم کے مدرسہ میں بیٹھ کر ہی پڑھانا اور وعظ و تذکیر نہ تھا بلکہ داعی حق کے قلب مبارک میں ایک تڑپ اور خلش تھی، اور پہلو دل میں جہالت کو دیکھ کر ایک کانٹا سا چبھتا تھا، معلم انسانیت حضور ﷺ بازاروں میں، گلیوں میں، میلوں میں، تنہائیوں میں، غرض ہر جگہ تعلیم و وعظ وتذکیر کا فریضہ انجام دیتے تھے، تا کہ لوگوں میں علم کا شوق اور ہدایتِ ربانی کا ذوق پیدا ہو، ہم عہد نبوی کے طریق تدریس وتعلیم پر آئندہ سطور میں مختصرا روشنی ڈالیں گے، مدرسہ دارِارقم کے علاوہ ہجرت نبوی سے قبل ایک اور زندہ دل دینی درسگاہ کا ذکر ملتا ہے، وہ حضرت فاطمہ بنت خطابؓ زوجہ حضرت سعید بن عمرو بن نفیل کا مکان تھا، جس کے معلم حضرت خباب بن الارتؓ تھے، حضرت عمرؓ نے اسی مدرسہ میں تلاوت قرآن سنی تھی اور اپنے بہن و بہنوئی کی استقامت وثبات قدمی، اور حق پسندی دیکھکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔

دوسرا اسلامی مدرسہ صفہ نبوی

جب آں حضرت ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مدینہ منورہ میں دوسرا اسلامی مدرسہ قائم کیا گیا جو تاریخ میں صفۂ نبوی کے نام سے مشہور ہے، اس مدرسہ کے تلامذہ وفارغین یکتائے روزگار اور نوابغ زمانہ ثابت ہوئے، اس مدرسہ میں تعلیم وتربیت کی نگرانی خود معلم انسانیت نبی آخر الزماں ﷺ فرماتے تھے، عہدِ رسالت کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ بڑے بڑے نوابغ اور یکتائے روزگار افراد اس مدرسہ سے فارغ ہوئے، جو مسجد کے خطیب، منبر کے داعی، میدانِ جنگ کے کمانڈر، ملکوں کے فاتح، اور علوم کے منارۂ نور تھے، ان میں عبداللہ ابن عباسؓ، عبداللہ ابن عمرؓ، معاذ ابن جبلؓ، ابو موسی اشعریؓ جیسے دقیق النظر ماہرینِ قانون، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت علیؓ جیسے سیاسی منتظم ومدبر، حضرت سعدؓ وابو عبیدہؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ جیسے باکمال جنرل اور ماہرینِ جنگ، حسان ابن ثابتؓ، کعب ابن زہیرؓ عبداللہ ابن رواحہؓ جیسے بلند پایہ ادیب وشاعر، نعیم ابن مسعودؓ جیسے سی، آئی، ڈی انسپکٹر، حضرت عثمان غنیؓ، عبدالرحمٰن بن عوف جیسے نامور تاجر موجود تھے، اور بھی کتنے تاریخ ساز اور باکمال افراد تھے، یہ سب مدرسۂ نبوت کے تعلیم یافتہ تھے۔

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

دراصل یہ اس تعلیم کا اثر تھا جس کی بنیاد وحی الٰہی پر تھی، جسکے مدرس خود معلمِ انسانیت تھے، جس کی درسگاہ صفۂ نبوی تھی، صفہ نبوی ایک اقامتی درسگاہ تھی، جس کا باقاعدہ نظام تھا، اس میں وہ لوگ قیام کرتے تھے جو دنیاوی مشاغل سے آزاد ہوکر شب وروز زہد وعبادت، تعلیم وتعلم میں مشغول رہتے تھے، اور صحبت نبوی سے فیض یاب ہوتے تھے، اسی درسگاہ کے فیض یافتوں نے دنیا کی تقدیر بدل ڈالی، وہ دنیا کے امام ومعلم بن گئے، علامہ سید سلیمان ندویؒ نے کیا خوب نقشہ کھینچا ہے:

’’ عقلائے روزگار اور اسرار رفطرت کے محرم، دنیا کے جہانباں، اور ملکوں کے فرمانرواں اس درسگاہ سے تعلیم پاکر نکلے ہیں، ابوبکر صدیق ہیں، عمر فاروق ہیں، عثمان غنی ہیں، علی

مرتضی ہیں، معاویہ بن ابی سفیان ہیں، جنہوں نے مشرق سے مغرب تک، افریقہ سے ہندوستان کی سرحد تک فرمانروائی کی، دوسری طرف خالد بن ولیدؓ سعد بن ابی وقاصؓ، ابوعبیدہ بن جراحؓ، عمرو بن العاصؓ جیسے نامور فاتح اور سپہ سالار ہیں، جنہوں نے چند سالوں میں مشرق ومغرب کی عظیم عالمی طاقتوں کے مرقع الٹ دئے، باذان بن ساسانؓ (یمن) خالد بن سعیدؓ (صنعا) مہاجر بن امیہؓ (کندہ) زیاد بن لبیدؓ (حضرموت) عمرو بن حزمؓ (نجران) یزید بن سفیانؓ (تیماء) علاء بن حضرمیؓ (بحرین) جیسے ماہر منتظم، اور خداترس گورنر جنہوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کر کے خلق خدا کو آرام وآسائش، اور عدل وانصاف سے متعارف کرایا، علماء وفقہاء کی صف میں عمر بن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، ابی بن کعبؓ معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ، ابن زبیرؓ جیسے جلیل القدر اصحاب شامل ہیں، اسی طرح ارباب روایات وتاریخ کی صف میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوسعید حضرمیؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، اور حضرت براء بن عازبؓ وغیرہ سیکڑوں اصحاب شامل ہیں، جہاں دیدہ، بہادر، اہل الرائے مدبرین کی جماعت میں حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت مغیرہؓ، حضرت مقدادؓ، سعد بن معاذؓ، سعد بن عبادہؓ، اسید بن حضیرؓ، اسعد بن زرارہؓ، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جیسے نابغہ روزگار افراد شامل ہیں'' (خطبات مدراس ۱۰۷-۱۱۰)

غرض زندگی کا کون سا گوشہ اور حیات انسانی کا کون سا شعبہ ہے جس کے لئے انتہائی موزوں افراد مدرسہ نبوت سے نہ مل سکے، انہوں ہر خلا کو پر کیا، اور ہر میدان میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں،

طلبائے صفہ کا شوقِ علم

گذشتہ سطور میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ علم کا سیکھنا، تعلیم کا حصول ایک حد تک ہر شخص کے لئے ضروری تھا، اس سے کوئی آزاد نہیں تھا، کچھ لوگ صرف فرض عین (Strict obligation) پر اکتفا کرتے تھے اور کچھ لوگ اس سے آگے بڑھکر اختصاص

(SPACIALIZATION) اور فرضِ کفایہ (GENRAL OBLIGATION) تک تعلیم حاصل کرتے تھے، ظاہر ہے کہ زندگی کے دوسرے معمولات جس طرح ہمارے ساتھ ہیں اسی طرح ان کے ساتھ بھی تھے، لیکن یہ معمولات ان کی تعلیم میں مخل نہیں ہوتے تھے، انہوں نے اپنا نظام العمل اس طرح مرتب کیا تھا کہ تعلیم بھی مکمل جاری رہے، اور معمولات زندگی میں بھی خلل نہ ہو، امام بخاریؒ نے حضرت عمر کی مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے:

عن عمر قال :كنت أنا وجار لي من الأنصار في بني أمية بن زيد وهي من عوالي المدينة كنا نتناوب النزول على رسول الله ﷺ ،فينزل يوما ،وأنزل يوما، فإذا نزلت جئت بخبر ذلك اليوم من الوحي وغيره وإذا نزل فعل مثل ذالك (بخاری کتاب العلم رقم الحدیث ۸۹)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اور بنی امیہ بن زید کا میرا ایک انصاری پڑوسی تھا، جو کہ عوالی مدینہ کا رہنے والا تھا، حضور ﷺ کی خدمت میں باری باری ہم لوگ اس طرح حاضر ہوتے کہ ایک دن وہ آتے، اور ایک دن میں آتا تھا، جب میں آتا تھا اس دن کا سبق اپنے ساتھی کو بتا دیتا تھا اور جب انکی باری ہوتی وہ آتے تو مجھے بتا دیتے،

حافظ ابن حجر نے مذکورہ حدیث کی تشریح میں لکھا ہے:

وفيه أن الطالب لا يغفل في أمر معاشه ليستعين على طلب العلم، مع أخذه بالحزم في السؤال عما يقوله يوم غيبته''

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طالب علم کو ذریعہ معاش سے غفلت نہیں ہوتی تھی کہ حصول علم میں سہولت ہو، نیز اپنی غیر حاضری کے دن والے درس کی معلومات پوری سنجیدگی وتوجہ کے ساتھ اپنے ساتھی سے حاصل کرتا تھا

علامہ کتانیؒ نے یہ روایت ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب میں یہ دلچسپ عنوان ذکر کیا ہے، ''**باب في ذكر أن التاجر منهم كان يتعلم، والمتعلم منهم كان يتجر**''

''عہد نبوی میں تجار علم سیکھتے تھے، اور متعلمین تجارت بھی کرتے تھے''

ایسا نظام کہ تعلیم بھی ضروری ہو، ہر شخص علم سیکھتا ہو، اور ضروریاتِ زندگی بھی درہم برہم نہ ہوں یہ صرف مدرسۂ نبوت کی خصوصیت ہے، علم اور زندگی کے مابین یہ توازن قائم تھا، کہ تعلیمی امور بھی جاری ہیں اور مشاغل زندگی میں بھی کوئی خلل نہیں،

مدرسہ نبوت کا طریقۂ درس وتدریس

جو لوگ علم کی تلاش وتحقیق میں نکلتے اور علم سے آراستہ ہونا چاہتے ہیں، ان کو چاہئے کہ سب سے پہلے معلمِ انسانیت کی درسگاہِ نبوت کا طرزِ تدریس، انتظام وانصرام کا مطالعہ کریں، آج یونیورسٹیوں کالجز اور غیر اسلامی اسکول کا تو کیا کہنا، خود بے شمار مسلمان یہ بھی نہیں جانتے کہ صفۂ نبوی و مدرسۂ نبوت کا طرز و اسلوب کیسا تھا، اسکا نصاب کیا تھا، کلاس کی حاضری کے اوقات وآداب کیا تھے، ہم ذیل کے سطور میں اسکا ایک مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں،

طالبان علم کا استقبال اور خوش اخلاقی:

آنحضرت ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی تھی کہ جو لوگ دور دراز سے علم حاصل کرنے آئیں، ان کا استقبال کیا جائے، ان کی ہمت افزائی کی جائے، جہاں ان رہ نوردان شوق اور طلبہ علم کے لئے فرشتوں کی نورانی مخلوق خود فرش راہ ہوتی ہے، ان کے استقبال وخوش آمدید اور راہ علم میں نکلنے پر تہنیت وتبریک پیش کرنے کا حکم زبان نبوت حق ترجمان نے دیا ہے،

سنن ابن ماجہ وترمذی میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت منقول ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سيأتيكم أقوام يطلبون العلم،فاذا رأيتموهم،فقولوا لهم : مرحبا بوصية رسول الله ﷺ**،واقنوهم،** (ابن ماجہ)	عنقریب تمہارے پاس لوگ علم سیکھنے آئیں گے، جب انہیں دیکھو، تو ان سے کہنا: مہمانان رسول کو خوش آمدید، اور انہیں علم سکھانا

بعض رویات میں یہ لفظ وارد ہوا ہے "**وأحسنوا اليهم**" ان کے ساتھ حسن

سلوک کرنا، حضرت ابوسعید خدریؓ کا معمول یہ تھا جب وہ طلبہ علم کو دیکھتے، تو استقبال کرتے، خوش ہوتے تھے اور یہ کہتے تھے: ''**مرحبا بوصية رسول الله ﷺ، أمرنا أن نحفظ لكم الحديث، ونوسع لكم فى المجلس** ''مہمانان رسول کی آمد مبارک، ہمیں حکم ملا ہے کہ تمہاری معلّمی کا فریضہ انجام دیں، تمہارے لئے حدیث وسنن کو محفوظ رکھیں، اور تمہارے لئے مجلس میں جگہ فراہم کریں''

امام المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس اپنے حلقہ میں درس طلبہ علم کی راحت وآرام کا بیحد خیال فرماتے تھے، ان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے، ان کے اکرام وحسن سلوک کا حال یہ تھا، خود فرماتے ہیں:

"أكرم الناس على جليسى الذى	میرے نزدیک سب سے زیادہ عزت واکرام کا
يتخطى الناس حتى يجلس	مستحق وہ شخص ہے جو تمام لوگوں کو چھوڑ کر علم سیکھنے
الى، لو استطعت أن لا يقع	میرے پاس آکر بیٹھتا ہے، اگر میرے بس میں
الذباب على جبهته لفعلت''	ہوتو اس کے چہرے پر ایک مکھی بھی نہ بیٹھنے دوں

آج کتنے لوگ ہیں جو بڑے بڑے خوشنما ادارے قائم کرتے ہیں، طلبہ کی رہائش کا نظم کرتے ہیں، ان کے اداروں میں اپنی سہولیات کا انتظام اور آرام وراحت کے اسباب طالبان علوم نبوت کے لئے اس کے اہتمام کے مقابلہ بہت کم ہوتا ہے۔

عہدِ نبوی میں کلاس کا وقت

عام طور پر موجودہ دور میں کالجز اور اسکولز میں کلاس کا وقت دیر سے شروع ہوتا ہے، اسلامی نظامِ تعلیم میں مدرسۂ نبوت کا وقت صبح سویرے ہی شروع ہوجاتا تھا، صبح کا جانفزا وقت تعلیم کے لئے نہایت ہی اہمیت کا حامل اور موزوں ہے، حضرت عائشہ کی حدیث ہے:

"أغدوا فی طلب العلم فإنی سألت ربی تبارك وتعالی أن يبارك لأمتی فی بكورها"
(معجم طبرانی)

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: تعلیم کے لئے صبح کا وقت اختیار کرو اس لئے کہ میں نے صبح کے وقت میں برکت کیلئے اپنے رب سے دعا کی ہے،

لفظ ''غدو'' کا اطلاق عربی زبان میں طلوع فجر سے طلوع شمس تک ہوتا ہے، اس لحاظ سے مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ تہجد و فجر کی نماز سے فارغ ہو کر طلب علم میں لگ جاتے تھے،

نو دس بجے تک سو کر کلاس میں جانے والے طلباء ابتدائے دن میں تعلیم کے پر کیف منظر اور پھر اسکی برکت نیز دل دماغ پر اسکے اثرات کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اہلِ دانش کو اس کا بھی ناقدانہ جائزہ لینا چاہئے کہ دس بجے تک بوجھل ہونے والے، تھکے ماندے دماغ، دیر تک سونے والے مضمحل قوی میں علم حاصل کرنے کی کتنی صلاحیت باقی رہتی ہے،

کلاس میں بیٹھنے کے آداب

مدرسۂ نبوت کے طلباء جب مجلسِ علم (CLASS ROOM) میں ہوتے تھے، تو تحصیل علم کے آداب کے ساتھ مجلس علم کے آداب کا خیال رکھتے تھے، معلمِ انسانیت نے مجلس میں بیٹھنے تک کی ہدایات ارشاد فرمائی تھیں، ابونعیم اور دیلمی نے صفہ نبوی کے ممتاز ترین طالب علم حضرت ابو ہریرۃؓ کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے:

"اذا جلستم الی العلم أو فی مجلس العلم فادنوا و ليجلس بعضكم خلف بعض ولا تجلسوا متفرقين كما يجلس أهل جاهلية
کنز العمال: ۱۰/۲۳۹ (۲۹۲۶۹)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم مجلس علم میں حاضر ہو تو قریب قریب ہو کر بیٹھو، ایک کے پیچھے ایک ترتیب سے بیٹھیں، اور تم لوگ زمانہ جاہلیت کی طرح متفرق الگ الگ نہ بیٹھو۔

مسند بزار کی ایک روایت ہے:

عن قرة أن رسول ﷺ كان اذا جلس جلس اليه أصحابه حلقاحلقا (رواه البزار۔شرح حياة الصحابة ٣/٦٣٥)

حضرت قرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب درس دینے کیلئے بیٹھتے تھے، تو صحابہ آپ ﷺ کے اردگرد حلقہ بنا کر بیٹھتے تھے،

جب حضرت جبرئیل آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ متعلم بن کر حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے مختلف سوالات کئے، آپ ﷺ نے ان کے جواب ارشاد فرمائے، حدیث میں حضرت جبرئیل کی آمد اور آپ ﷺ کے سامنے ان کے بیٹھنے کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

''**حتى جلس الى النبي ﷺ، فأسند ركبتيه الى ركبتيه، ووضع كفيه على فخذيه**'' یہاں تک کہ وہ حضور ﷺ کے بالکل قریب آکر بیٹھے، اور اپنے دونوں ہاتھ اپنی ران پر رکھ لئے'' علماء نے اس جملہ سے استدلال کیا ہے کہ ایک متعلم کو عالم کے روبرو قریب ہو کر تواضع وادب کے ساتھ بیٹھنا چاہئے، حضرت جبرئیل نے منجملہ دینی احکام کے یہ ادب بھی عملا سکھایا ہے، یہ معلم انسانیت کے بیان کردہ چندوہ آداب ہیں جو درس گاہ ومجلس علم سے متعلق ہیں، حضرات صحابہ مجلس علم میں باادب، گوش برآواز ہو کر بیٹھتے تھے،

تعطیل اور انٹرول کا نظام

نظام تعلیم میں اگر طلباء کی نفسیات اور مستقل بوجھ کی وجہ سے انکے اکتانے اور ملول خاطر ہونے کا خیال نہ رکھا جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے طلباء کو خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا ہے، صحابہ کرام کے تعلیمی نظام میں اس کا بھی خیال رکھا جاتا تھا، عہد نبوی کے نظام تعلیم میں ضیاع وقت، بے مقصدیت، تعلیم کم اور چھٹی زیادہ نہیں ہوتی تھی، تعلیم وتعلم کا ایک تسلسل تھا، جو ہمہ وقت جاری رہتا تھا، ہاں طلبہ کی نفسیات کے پیش نظر بوقت ضرورت ان کو متفرق اوقات میں حسب ضرورت ومصلحت چھٹی بھی دی جاتی تھی، امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث نقل کی ہے۔

عن عبدالله بن مسعودؓ قال:كان رسول اللهﷺ يتخولنا بالموعظة كراهة السآمة علينا (بخاری کتاب العلم ٦٩)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ ہم کو ہمارے ملول خاطر ہونے کے اندیشہ سے وقفہ وقفہ سے نصیحت کیا کرتے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے یہ بھی اشارہ کردیا کہ چھٹی کس اصول کے تحت ہوتی تھی۔

يستفاد من الحديث استحباب ترك المداومة فی الجد فی العمل الصالح خشية الملال .... والضابط الحاجة مع مراعاة وجود النشاط

حدیث مذکور سے اچھے کاموں میں ترک تسلسل و عدم مواظبت کا اشارہ ملتا ہے، تاکہ طبیعت گھبرا نہ جائے، اس کا ضابطہ یہ ہے کہ نشاط کی رعایت کرتے ہوئے ضرورت کا خیال رکھا جائے

مدرسہ نبوت کے تعلیم یافتہ امیر المومنین حضرت عمرؓ تو باقاعدہ انٹرول بھی کرتے تھے تاکہ کچھ دیر آرام کر کے طلباء میں نشاط پیدا ہو جائے، ابن السمعانیؒ نے نقل کیا ہے:

كان عمرؓ يحدث الناس فاذا رآهم قد تنابوا وملوا، أخذ بهم فی غراس الشجر (شرح حیاۃالصحابة ٣ ٢ ٥ ٦)

حضرت عمرؓ لوگوں کو پڑھاتے تھے، اور جب دیکھتے کہ طلباء پر اضمحلال اور سستی چھا رہی ہے، تو انکے ساتھ باغبانی کے کام میں لگ جاتے،

ایسا اس لئے کرتے تھے کہ طلباء کے اندر از سر نو نشاط پیدا ہو جائے، اور طبیعتِ ملول کی پژمردگی ختم ہو جائے۔

مدرسہ سے چھٹی کے بعد گھر والوں کو تعلیم دینا

مدرسۂ نبوت کا حال یہ تھا کہ جب طلباء کی چھٹی ہوتی تھی، اور وہ اپنے گھر جاتے تھے تو معلمِ انسانیت کا فرمان تھا کہ گھر جا کر وقت ضائع نہ کیا جائے، یا جو علم سیکھا ہے اس کو فراموش نہ کیا

جائے ، بلکہ وہاں بھی تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رہے،امام بخاریؒ نے ’’**الأدب المفرد**‘‘ میں نقل کیا ہے۔

عن مالك بن الحويرث قال :أتينا النبى ﷺ ونحن شببة متقاربون فأقمنا عنده عشرين ليلة فظن أننا إشتهينا أهلينا، فسألنا عمن تركنا فى أهلينا، فأخبرناه، وكان رفيقا رحيما، فقال: إرجعوا إلى أهليكم فعلموهم ومروهم وصلوا كما رأيتمونى أصلى (بخاری فی الأدب المفرد منقول عن دور المنهاج الربانی ص ۱۴۰)

حضرت مالک بن حویرثؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ،اور ہم سب ہم عمر نوجوان تھے،ہم نے آپ کے پاس بیس دن قیام کیا ،آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ شاید ہمیں اہل وعیال کی یاد آرہی ہے ،تو آپ ﷺ نے ہم سے دریافت فرمایا،تو ہم نے آپ ﷺ کو بتا دیا،آپ نہایت مہربان اور رحیم تھے،فرمایا اپنے اہل وعیال کے پاس جاؤ،ان کو بھی علم سکھاؤ،اور اعمال صالحہ کا حکم دو،اور ایسے نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا‘‘

امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں ایک باب قائم فرمایا ہے: باب تعليم الرجل أمته و أهله ،اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو چاہئے کہ اپنی باندی واہل خانہ کو تعلیم دے،علم سکھائے، اسی طرح امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں وفد عبدالقیس کا واقعہ ذکر کیا ہے اور اس پر جو عنوان قائم کیا ہے وہ یہ ہے: باب تحريض النبى ﷺ وفد عبد القيس على أن يحفظوا الايمان و العلم ،و أن يخبروا به من ورائهم، یعنی حضور ﷺ نے وفد عبدالقیس کو اس پر ابھارا کہ علم اور ایمان کی باتوں کو اچھی طرح یاد کریں،محفوظ کریں،اور اپنے گھر وعلاقہ میں اس کی دوسروں کو تعلیم دیں،عہد نبوی میں تعلیم وتعلم صرف حضور ﷺ کی مجلس ہی میں نہیں تھا، بلکہ آپ ﷺ سے فیض حاصل کرنے والے صحابہ جب اپنے گھروں کو واپس جاتے تھے تو اس احساس ذمہ داری کے ساتھ جاتے تھے کہ اپنے گھروں میں اہل خانہ کے ساتھ یہی سلسلہ جاری رکھنا

ہے،اپنے علاقوں میں اسی علم کی اشاعت کرنا ہے جو مدرسہ نبوت سے سیکھا ہے،غور کرنے کا مقام ہے کہ حضورﷺ نے نوجوانوں کے انسانی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے گھر جانے کا حکم دیا،اور ساتھ ہی ہدایت بھی فرمادی کہ گھر والوں کو،بیوی بچوں کو بھی اس خیر میں شریک کریں،

تعلیم نسواں کا نظام

عہدِ اول میں معلم انسانیت نے تعلیمِ نسواں کا بھی باقاعدہ نظام قائم فرمایا تھا،کتنی صحابیات ہیں جو علومِ تفسیر،حدیث،وفقہ میں نمایاں مقام رکھتی ہیں،حضرت عائشہ صدیقہؓ،حضرت ام سلمہؓ،حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ،اور بے شمار صحابیات ہیں،جنھوں نے مدرسۂ نبوت سے تعلیم حاصل کی،ان کے علمی نقوش تاریخ کے اوراق میں ثبت ہیں،ہم اس مختصر مضمون میں اس کو ذکر کرنے سے قاصر ہیں،صرف عہدِ اول کے تعلیمی نظام کی ایک جھلک پیش کرنا مقصود ہے،امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے نقل کیا ہے۔

عن أبی سعيد الخدری قال :قال النساء للنبی ﷺ غلبنا عليك الرجال فاجعل لنا يوما من نفسك فوعدهن يوما لقيهن فيه فوعظهن وأمرهن (بخاری كتاب العلم رقم الحديث ۱۰۱)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ خواتین نے آپﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے مقابلہ میں مرد زیادہ استفادہ کرتے ہیں،لہذا ہماری تعلیم کے لئے کوئی دن مقرر فرمادیجئے،آپﷺ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمالیا،جس میں آپﷺ ان سے ملاقات کرتے،انہیں نصیحت کرتے،تعلیم دیتے،

حضرت عائشہؓ نے قبیلہ انصار کی عورتوں کے شوق تعلم کی تعریف فرمائی ہے،صحیح بخاری میں ہے،حضرت عائشہؓ نے فرمایا:"**رحم الله نساء الانصار،لم يمنعهن الحياء من أن يسألن عن أمر دينهن**"اللہ انصار کی خواتین پر رحم فرمائے،دینی مسائل معلوم کرنے میں انہیں شرم مانع نہیں ہوتی"

امام بخاریؒ نے ایک باب قائم فرمایا ہے: **باب عظة الامام النساء وتعليمهن**"

''خواتین کی تعلیم اور وعظ ونصیحت امام المسلمین کے ذریعہ'' اس میں روایت ذکر فرمائی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر عورتوں کو خاص طور پر وعظ ونصیحت فرمائی، اور صدقہ پر ابھارا، حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تشریح میں بڑی دقیق بات لکھی ہے

:''**نبه بهذه الترجمة على ان ما سبق من الندب الى تعليم الاهل ليس مختصا بأهلهن، بل ذلك مندوب للامام الاعظم ومن ينوب عنه** '' اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ خواتین کی تعلیم وتربیت کا استحباب صرف اپنے ہی گھر والوں کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ یہ مسلمانوں کے ذمہ دار وامام کی اجتماعی ذمہ داری ہے، کہ وہ عورتوں کی تعلیم وعظ کا انتظام کرے'' (فتح الباری)

یہ روایت عہدِ اول میں تعلیمِ نسواں کے طریقہ کار، اہمیت وضرورت، اور منہج کو بتانے کیلئے کافی ہے، گذشتہ سطور میں حضرت عمرؓ کی وہ روایت گذر چکی ہے جسمیں آپ ﷺ نے عورتوں کو سورہ نور کی باقاعدہ تعلیم دینے کے لئے حکم دیا ہے،

عورتوں کی خاص تعلیم کا ذریعہ عہد نبوی میں امہات المؤمنین بھی تھیں، مختلف مسائل میں خواتین ان سے رجوع کرتی تھیں، احادیث کی کتابوں میں اس کے متعدد واقعات ملتے ہیں، شرعی مسائل میں امہات المؤمنین کا خاص مقام تھا، بلکہ دراصل حضور ﷺ نے جو مختلف قبائل وخاندان کی خواتین سے متعدد شادیاں کیں، اس کا مقصد علم وسنت نبوی کی اشاعت وترویج بھی تھا، چنانچہ ازواج مطہرات امہات المؤمنین نے بے شمار مسائل اور آپ ﷺ کی خلوت وجلوت کی سنتیں بیان فرمائی ہیں، حضرت عائشہؓ کا مقام فقہ وفتوی، طب وشعر وغیرہ بہت بلند ہے، خاص طور پر فقہ وفتوی اور مسائل شرعیہ میں انتہائی نمایاں مقام ہے، امام غزالیؒ نے لکھا ہے: ''**لم ينصب أحد من الصحابة نفسه للفتوى الا بضعة عشر رجلا، وعد منهم عائشةؓ**'' صحابہ کرام میں منصب افتاء پر چند ممتاز صحابہ فائز تھے، جن میں حضرت عائشہؓ کا بھی شمار تھا''

حضرت عائشہ علم وتفقہ کے ساتھ کثرت روایت میں معروف تھیں، آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد اکابرین صحابہ تک ان سے رجوع فرماتے تھے، تقریبا ڈھائی ہزار احادیث ان سے منقول

ہیں، حضرت ابوموسیٰؓ فرماتے ہیں'' **ما أشكل علينا أصحاب محمد حديثا قط فسألنا عائشةؓ الا وجدنا عندها منه علما** '' ہم صحابہ رسول کو جب بھی حدیث میں کوئی بھی اشکال ہوا، ہم نے اس کے بارے حضرت عائشہ ام المؤمنینؓ سے دریافت کیا تو ان کے پاس اس کا علم اور صحیح جواب پالیا،'' (طبقات الحفاظ سیوطی)

جس طرح امہات المؤمنین شرعی مسائل اور امور آنحضرت ﷺ سے سیکھتی تھیں، اور سنت نبوی کی ترویج واشاعت کا بہترین ذریعہ تھیں، اسی طرح خط وکتابت اور دیگر فنون بھی جانتی تھیں، حضرت ام المؤمنین حفصہؓ حافظ قرآن تھیں، انہوں نے حضور ﷺ کے حکم سے شفا بنت عبد اللہ سے کتابت وتحریر کا فن بھی سیکھا تھا، امام ابوداؤد نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ شفا بنت عبد اللہ فرماتی ہیں، کہ ایک دن حضور ﷺ تشریف لائے، اور وہ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے پاس تھیں، حضور ﷺ نے فرمایا'' **ألا تعلمين هذه رقية النملة كما علمتها الكتابة** '' تم ان کو چیونٹی کے کاٹنے کا رقیہ بھی سکھا دو، جس طرح تم نے کتابت وتحریر سکھائی ہے'' شفاء بنت عبد اللہ عہد نبوت کی ان خواتین میں ہیں جو فن کتابت، طب، اور رقیہ میں مشہور تھیں،

حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنی خلافت کے عہد میں ایک مرتبہ تقریر میں فرمایا تھا'' **ألا لاتغالوا فی مهور النساء** '' اے لوگو! شادی میں زیادہ مہر نہ متعین کیا کرو'' ایک عورت نے نماز کے بعد حضرت عمرؓ پر استدراک کیا، اور ان سے کہا'' **ليس لك ذلك ياعمر** '' کہ آپ کون ہوتے ہیں، جو زیادہ مہر کی تعیین سے منع کر رہے ہیں، قرآن پاک میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے'' **لو آتيتم احداهن قنطارا فلا تأخذوا منه شيئا** '' اگر تم بفرض محال مہر میں پہاڑ کے برابر سونا بھی دے دو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لینا، حضرت عمرؓ نے فرمایا'' **أصابت امرأة وأخطأ عمر** '' ایک عورت نے صحیح کہا ہے، عمرؓ سے اس مسئلہ میں چوک ہوگئی'' یہ واقعہ مسند ابویعلی اور مصنف عبد الرزاق وغیرہ میں تفصیل سے منقول ہے حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی پر ایک خاتون کا استدراک اس کی واضح دلیل ہے، کہ عہد نبوت میں خواتین کی تعلیم وتربیت کا انتہائی معقول اور منظم نظام تھا، خواتین اس میدان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں،

عہد نبوی میں فن طب اور خواتین کی خدمات

علوم شرعیہ میں اشتغال کے ساتھ ساتھ دیگر علوم وفنون میں خواتین کا عہد نبوی میں خاصا حصہ ہے، چنانچہ فن طب وغیرہ میں متعدد خواتین کے نام ملتے ہیں، ایک صحابیہ حضرت رفیدہ اسلمیہ فن طب وجراحی میں ماہر تھیں، غزوات وغیرہ میں وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کے لئے شریک ہوتی تھیں، انہوں نے متعدد خواتین کو یہ فن سکھایا تھا، ان کا دواخانہ مشہور تھا، جب حضرت سعد بن معاذؓ غزوۂ خندق میں زخمی ہوگئے تھے آپ ﷺ کے حکم سے وہ ان کا خصوصی طور پر علاج کرتی تھیں، اور ان کے لئے طبی سہولیات فراہم کرنے کی غرض سے حضرت رفیدہ اسلمیہ کا دواخانہ مسجد نبوی میں قائم کیا گیا تھا،

غزوہ خیبر کے موقع پر قبیلہ غفار کی خواتین حاضر خدمت ہوئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ہمیں بھی جنگ میں جانے کی اجازت مرحمت فرمادیں، تا کہ ہم مریضوں اور زخمیوں کا علاج کرسکیں، اور حتی المقدور خدمات انجام دے سکیں، آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی، ابن ماجہ میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے:

عن آمنه بنت أبی الصلت الغفارية قالت أتيت النبی ﷺ فی نسوة من بنی غفار،فقلنا: يا رسول الله، قد أردنا أن نخرج معك الی وجهك هذا، وهو يسير الی خيبر، فنتداوی الجرحی، ونعين المسلمين ما استطعنا، فقال علی بركة الله، فخرجنا معه" ابن ماجه

حضرت آمنہ بنت ابی صلت غفاریہ سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں بنی غفار کی کچھ خواتین کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور ہم نے عرض کیا، کہ اے اللہ کے رسول! آپ کے ساتھ اس غزوہ میں شرکت کی ہم خواتین اجازت چاہتی ہیں، اور آپ ﷺ خیبر کی جانب روانہ ہورہے تھے، تا کہ ہم زخمیوں اور بیماروں کا علاج کرسکیں، اور بقدر استطاعت مسلمانوں کی مدد کرسکیں، آپ ﷺ اجازت مرحمت فرمادی، اور ہم آپ ﷺ کے ساتھ اس سفر میں نکلے‘‘

جہاد وغزوات میں خواتین پردہ وحجاب کے مکمل آداب ورعایت کے ساتھ شریک ہوتی تھیں، آزادانہ اختلاط کا تصور نہ تھا، چنانچہ خواتین علاج ومعالجہ اور میدان جنگ میں تعاون کے لئے باقاعدہ اہتمام سے شریک ہوتی تھیں، ابن سعد کی ایک روایت سے اس کا اندازہ ہوتا ہے، ابن سعدؒ نے طبقات میں ام سنان اسلمیہ کے واقعہ میں لکھا ہے، کہ انہوں نے حضورﷺ سے خیبر کے موقع پر اجازت طلب کی، تو آپﷺ نے ان کو اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

''أخرجي على بركة الله، فان لك صواحب قد كلمنني، وأذنت لهن من قومك، ومن غيرهم، فان شئت فمع قومك، ان شئت فمعنا، قلت معك، قال: فكوني مع أم سلمة زوجتي، قالت : فكنت معها'' (التراتیب الاداریۃ ۲/۷۵)

اللہ کا نام لیکر چلو، تمہاری دیگر ساتھی تمہارے ہی قبیلہ کی خواتین بھی ہیں، انہوں نے بھی اجازت لی تھی، میں نے ان کو اجازت دی ہے، اگر چاہو تو اپنی قوم کی عورتوں کے ساتھ رہو، اور چاہو تو ہمارے ساتھ رہو، فرماتی ہیں: میں عرض کیا کہ ہم آپﷺ کے ساتھ رہیں گے، آپﷺ نے فرمایا: تم میری اہلیہ ام المؤمنین ام سلمہ کے ساتھ رہو، پس میں سفر میں ان کے ہمراہ تھی،

عہد نبوی میں جو خواتین طبی خدمات انجام دیتی تھیں، ان میں لیلی غفاریہؓ، ام ایمنؓ، ام زیادہ اشجعیہؓ، ام سنان اسلمیہؓ، ام کبشہ قضاعیہؓ، ام ورقہ انصاریہؓ، وغیرہ مشہور ہیں، ظاہر ہے کہ ان خواتین نے یہ فن یقیناً سیکھا ہوگا، اور اس کے سکھانے کا کوئی نظام ہوگا، کتانیؒ نے علامہ قرطبیؒ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، '' معناه أنهن يهيئن الأدوية للجراح، ويصلحنها، ولا يلمسن من الرجال ما لا يحل '' علامہ قرطبی فرماتے ہیں، ''اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خواتین زخموں کے علاج وغیرہ کے لئے دواسازی کرتی تھیں، اور دوائیں تیار رکھتی تھیں، مردوں کا علاج کرنے میں شرعی حدود کا خیال رکھتی تھیں'' (التراتیب الاداریۃ ۲/۷۶)

عہد نبوی میں خواتین کا شوق وشغف:

آپﷺ نے جو تعلیمی انقلاب برپا کیا تھا، اور عوام وخواص میں شعور کی تربیت فرمائی تھی، مرد وعورت ہر ایک کی ذمہ داری وفرض سے اس کو آگاہ کیا تھا، اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ خواتین

کسی میدان میں اپنے کومحروم یا کمزور نہ سمجھیں، انہیں بھی دینی امور میں طلب اجر کا زیادہ سے زیادہ شوق ہو، ان کے اندر بھی خیر کے کاموں میں تسابق کا جذبہ ہو، علم ودین کے معاملہ میں آگے بڑھنے کا شغف ہو، احساس ذمہ داری کے ساتھ خدا کی جنت کی طلب ہو، اپنی معاشرتی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کے ساتھ حسن عمل کا جذبہ صادق ہو، چنانچہ اسی جذبہ کے تحت ایک موقع پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں خواتین کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت اسماء بنت سکن انصاریہؓ حاضر ہوئیں، اور تمام عورتوں کی جانب سے درخواست پیش کی، کتانیؒ نے یہ روایت علامہ ابوجعفر طوسیؒ کی کتاب ''الاستبصار'' کے حوالے سے ذکر کی ہے،

"قالت: انی رسول من ورائی من جماعة المسلمین، یقلن بقولی، وعلی مثل رأیی، ان الله بعثك بالحق واتبعناك، ونحن معشر النساء مقصورات مخدرات، قواعد بیوت وموضع شهوات الرجال، وحاملات أولادكم، وأن الرجال فضلوا بالجماعات، وشهود الجنائز، واذا خرجوا للجهاد حفظنا لهم أموالهم، وربینا أولادهم، أفنشاركهم فی الأجر یا رسول الله، فالتفت رسول الله ﷺ بوجهه الی أصحابه، وقال لهم: هل سمعتم مقال امرأة أحسن سؤالا عن دینها من هذه؟ فقالوا: لا یا رسول الله، فقال رسول الله ﷺ: انصرفی یا أسماء! وأعلمی من ورائك من النساء أن حسن تبعل احداكم لزوجها، وطلبها لمرضاته، واتباعها لموافقته، تعدل كل ما ذكرت، فانصرفت أسماء وهی تهلل وتكبر، استبشارا بما قال لها رسول الله ﷺ" (التراتیب الاداریہ ۲/۷۹)

حضرت اسماء فرماتی ہیں: ''میں نے عرض کیا کہ میں خواتین کی نمائندہ ہوں، وہ بھی میری رائے اور قول کے موافق ہیں، میں ان سب کی ترجمانی میں عرض گذار ہوں، اللہ نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اور ہم نے اس کے مطابق آپ کی اتباع کی ہے، ہم خواتین پردہ نشین ہیں، گھروں میں رہتی ہیں، مردوں کی خواہش پوری کرنے کا ذریعہ ہیں، اولاد کے حمل کی

تکالیف برداشت کرتی ہیں، ہم عورتوں کے مقابلے مرد لوگ جماعت کی نمازوں میں شرکت، جنازہ میں حاضری کا ثواب حاصل کرتے ہیں، جب وہ جہاد کے لئے جاتے ہیں ہم ان کے اموال کی حفاظت اوران کی اولاد کی تربیت کرتے ہیں، کیا ہم مردوں کے ساتھ ان اعمال کے اجروثواب میں شریک ہیں جن اعمال کو ہم خواتین براہ راست ادانہیں کرسکتی ہیں، اور ہمیں اس کے مواقع میسر نہیں آتے؟ آپ ﷺ صحابہ کرام کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم لوگوں نے دین کے بارے میں اس خاتون سے زیادہ بہتر اور عمدہ سوال کرتے ہوئے کبھی کسی اور کو دیکھا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، اللہ کے رسول! آج تک نہیں دیکھا، آپ ﷺ نے اس خاتون سے مخاطب ہوکر فرمایا: اے اسماء! جاؤ، اور سب خواتین کو بتادو کہ شوہر کے حقوق کی بہتر ادائیگی، اس کی خوشنودی کا خیال رکھنا، اس کی موافقت، اور اسکی اتباع ان تمام اعمال خیر کے ثواب کے برابر ہے جو ابھی تم نے ذکر کیا ہے، حضرت اسماء واپس ہوئیں، اور وہ خوشی سے تکبیر وتہلیل کے ساتھ واپس گئیں''

خواتین کی تعلیم وتربیت، فرض شناسی، حسن عمل کے ساتھ ساتھ حسن معاشرت کا جذبہ پیدا کرنا، اور ان کو ایک بہترین مثالی زندگی کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرنے کی ہدایت دینا دراصل اسلام کا امتیاز ہے،

اہل علم کی ذمہ داری اور عوام کا فرض

عہد نبوی میں جہاں تعلیم وتعلم اور اشاعت علم کا سلسلہ جاری تھا، کوئی شخص اس چشمہ جاری سے محروم نہیں رہتا تھا، بلکہ لوگوں کو ہدایت تھی کہ جاننے والے نہ جاننے والوں کو سکھائیں جنکے کان آشنائے علم اور جن کے قلوب اس دولت سے مالا مال تھے، ان کا فرض تھا کہ علم کو عام کریں، اس دولت پہ خود سانپ بن کر نہ بیٹھیں، اپنی الگ دنیا نہ بسائیں، بلکہ ناآشنائے علم اور نور بصیرت سے محروم انسانوں کو اس دولت سے حصہ دیں، انہیں علم سکھائیں، اسی طرح عوام الناس کی ذمہ داری تھی کہ وہ خود تلاش کریں اور علم سیکھیں، اندھیروں میں رہنے کے عادی نہ بنیں، بلکہ اجالوں کے جویاو متلاشی ہوں، یہ حکم خاص طور پر اس عہد میں بڑی معنویت اور اہمیت رکھتا تھا جب

کہ علم پر مذہبی نقطۂ نظر سے صرف خواص کی اجارہ داری قائم تھی، یا وہ گرجا گھروں، غاروں اور کلیساؤں میں محدود ہو گیا تھا، علم کے عموم اور اشاعت کا یہ تصور ایک زبردست انقلاب تھا، مدرسہ نبوت کے پڑھنے والے ہر طالب علم کو حکم تھا کہ: ''**ألا فليبلغ الشاهد الغائب**'' جو سبق میں موجود ہے، وہ غیر موجود لوگوں کو جا کر بتائیں، علماء اور عوام کی مشترکہ ذمہ داری کی طرف آپ ﷺ نے ایک حدیث میں بڑی صفائی بلکہ سختی کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے:

"والله ليعلمن أقوام جيرانهم وليفطنونهم ويفقهونهم ويأمرونهم وينهونهم، و يتعلمن قوم من جيرانهم ويفطنون ويتفقهون أو لأعالجنهم بالعقوبة فى الدنيا (شرح حیاۃ الصحابۃ ۳/۵۹۵ کذا فی کنز العمال)	خدا کی قسم لوگوں کو اپنے پڑوسیوں کو ضرور بالضرور علم سکھانا، سمجھانا، تعلیم دینا، نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا چاہئے، اور نہ جاننے والے لوگوں کو اپنے عالم پڑوسیوں سے سیکھنا سمجھنا اور تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے، ورنہ میں ان کو دنیا میں سخت سزا دوں گا

رحمۃ اللعالمین کے ان سخت کلمات اور عتاب آمیز کلام کو بار بار غور سے پڑھنا چاہئے، کیونکہ ہر انسان یا تو عالم ہوگا یا جاہل، اور اگر دونوں حالتوں میں کسی طرح بھی کوتاہی کی تو مجرم قرار پائے گا، علماء کی ذمہ داری علم سکھانا، اور ناواقفوں کی ذمہ داری علم سیکھنا ہے، ارباب مدارس اور اہل علم و دانش غور کریں کہ آج خود ان کا نظام تعلیم کس مقام پر ہے، انہوں نے اپنے اس دینی فرض کو کس حد تک ادا کیا ہے، یا کم از کم عوام کے اندر اس ذمہ داری کا شعور واحساس کس حد تک بیدار کیا ہے، جن معاشروں نے آج تعلیم کو ضروری قرار دیا ہے انہوں نے ہر شخص کیلئے تعلیم کے ضروری ہونے اور جہالت کو جرم وعیب قرار دینے کا تصور اسلام سے لیا ہے، ع

''جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے''

حضور ﷺ معلم کامل:

حضور ﷺ ایک کامل و مکمل رہبر، اور پوری انسانیت کے لئے ہمہ جہت اسوہ حسنہ ہیں، زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کی ذات ستودہ صفات انسانوں کے لئے درس موعظت و نصیحت

ہے، آپ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا تھا ''**انما بعثت معلما** '' مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے، فن تعلیم کے ماہرین متفق ہیں کہ طلبہ کی تعمیر وترقی اوران کی شخصیت وکردار سازی میں سب سے اہم رول معلم کا ہوتا ہے، معلم کی شخصیت ،اس کی صفات وکردار، اخلاق وزندگی کا طلبہ پر گہرا اثر ہوتا ہے،

آپ ﷺ کی شخصیت بحیثیت معلم اعلی ترین اخلاق واوصاف کی حامل تھی، منبع علم وفضل تھی، آپ ﷺ انتہائی خوش اخلاق تھے، حقیقت میں ایک معلم ومربی کوان ہی اوصاف کا حامل ہونا چاہئے، آپ ﷺ پوری انسانیت کے معلم ومربی تھے، صحیح مسلم کی حدیث میں ہے ، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"**ان الله لم يبعثني معنتا ولا متعنتا، ولكن الله بعثني معلما ميسرا**"	اللہ نے مجھے سخت مزاج، بدخلق، اورلوگوں پر بہ تکلف سختی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا، ہاں نرم خو، اورآسانی پیدا کرنے والامعلم بنایا ہے

معلم کے لئے ظاہری وضع کا اہتمام اوراسوۂ حسنہ:

معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ باطنی صفات وخوش اخلاقی کے ساتھ ساتھ ظاہری وجاہت، لیاقت ولباقت، اوراچھی وضع قطع اختیار کرے، معلم انسانیت میں یہ صفات بدرجہ اتم موجود تھیں، فضل وکمال اورحسن وجمال میں آنحضرت ﷺ بے مثال تھے، شمائل ترمذی میں حضرت قتادہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں'' **ما بعث الله نبيا الا حسن الوجه حسن الصوت، وكان نبيكم** ﷺ **حسن الوجه ،حسن الصوت**'' اللہ نے ہرپیغمبرکو خوبصورت شکل وصورت، اورخوش الحان، بہترین آواز والا بنا کر بھیجا ہے، تمہارے نبی ﷺ انتہائی خوبصورت، حسین وجمیل، اوربہترین آواز والے تھے'' ایک معلم کی ظاہری ثقافت اوروضع کا گہرا اثر ہوتا ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے ظاہری لباقت ولیاقت ،اچھی وضع اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، تہذیب وشائستگی ورلباقت وحسن کو پسند فرمایا ہے، ایک سفر سے واپسی کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کواس کی خاص طور پر ہدایت فرمائی ،اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کس عمدگی اور

شائستگی کا مذہب ہے، مسند احمد اور سنن ابوداؤد میں منقول ہے حضرت ابودرداءؓ فرماتے ہیں، کہ میں نے حضورﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

انکم قادمون علی اخوانکم،	اے لوگو! تم عنقریب اپنے بھائیوں کے پاس
فأصلحوا رحالکم، وأصلحوا	پہنچنے والے ہو، اپنی سواریوں کو درست کرلو،
لباسکم، حتی تکونوا کأنکم	اپنے لباس وغیرہ درست کرلو، یہاں تک کہ ایسا
شامة فی الناس، فان الله لا	محسوس ہو کہ تم معیاری انسان ہو، اللہ کو
یحب الفحش ولا التفحش	برائی، بدسلیقگی، فحش مزاجی اور ناشائستگی پسند نہیں

آنحضرتﷺ کا مزاج وذوق انتہائی نفیس ولطیف تھا، آپ کو نظافت، سلیقہ مندی، اور شائستگی بے حد پسند تھی، پھوہڑ پن، بے ڈھنگا پن، میلا کچیلا، پراگندہ رہنا آپﷺ کو بہت ناگوار تھا، اسی لئے آپﷺ نے ارشاد فرمایا تھا ''**من کان له شعر فلیکرمه** ''انسان کو چاہئے کہ اپنے بالوں کو سلیقہ اور ترتیب کے ساتھ درست رکھے'' (ابوداؤد)

سنن ابوداؤد اور نسائی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپﷺ نے ایک شخص کو پراگندہ بال، گندے و میلے کپڑوں میں دیکھا، تو اس پر تنبیہ فرمائی،

عن جابرؓ قال :أتانا رسول الله ﷺ فرأی رجلا شعثا قد تفرق شعره، فقال: أما یجد هذا ما یسکن به شعره، ورأی رجلا آخر وعلیه ثیاب وسخة فقال: أما یجد هذا ماء یغسل به ثوبه ''حضرت جابرؓ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ حضورﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، اور ایک شخص کو اس حال میں دیکھا کہ بال پراگندہ اور بکھرے ہوئے ہیں، آپﷺ نے فرمایا: کیا اس کو کوئی ایسی چیز دستیاب نہیں ہے جس سے اپنے بال درست کرلے، ایک دوسرے شخص کو گندے کپڑوں میں دیکھا، تو فرمایا: کیا اس شخص کو پانی نہیں مل سکا، کہ اپنے کپڑے صاف کرلیتا''

ظاہری شائستگی اور سلیقہ مندی، نظافت، صفائی ستھرائی، اور مناسب زینت اختیار کرنا تکبر میں داخل نہیں بلکہ مطلوب ہے، بالخصوص معلم کے لئے یہ امور (Skills) بہت اہم ہیں،

ایک استاد و معلم اگر پراگندہ حال، پراگندہ بال، میلے کچیلے کپڑوں میں بد سلیقگی کے ساتھ رہتا ہے، اور اسی طرح درس و تدریس کے لئے بیٹھتا ہے، تو اس کے طلبہ میں شائستگی و تہذیب نہیں آسکتی۔

معلم انسانیت کا طرز تدریس اور اسلوب درس:

آپ ﷺ صحابہ کو تعلیم دینے میں یہ خیال فرماتے تھے کہ جو بات بتائی گئی ہے اس کو انہوں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے، اس وجہ سے آپ بسا اوقات اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لئے تین دفعہ بھی دہراتے تھے، امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں ترجمۃ الباب قائم فرمایا ہے ''باب من أعاد الحديث ثلاثا ليفهم عنه'' اور یہ حدیث مبارک ذکر فرمائی ہے

عن أنس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ أنه اذا تكلم بكلمة أعادها ثلاثا حتى تفهم عنه ''حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ گفتگو فرماتے تو بسا اوقات تین دفعہ بات کو دہراتے تھے تاکہ اچھی طرح سننے والوں کو ذہن نشین ہو جائے'' امام بخاری نے اس مقام پر متعدد واقعات ذکر کئے ہیں۔

اسی طرح آپ کا طریقہ تھا کہ آپ جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو صاف اور واضح انداز سے کہتے، اتنی آہستہ نہیں بولتے تھے کہ کسی کو سننے میں دشواری ہو، بہ آواز بلند خطاب فرماتے تھے، اس لئے کہ استاد کی آہستہ کلامی سے ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ نہ سن سکیں اور بات کچھ سے کچھ ہو جائے، امام بخاریؒ نے آپ ﷺ کے طریقہ کو ذکر کرنے کے لئے ترجمۃ الباب قائم فرمایا ہے: ''باب من رفع صوته بالعلم ''با آواز بلند علمی گفتگو کرنے کا بیان'' اور اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے حدیث ذکر فرمائی ہے:

عن عبد الله بن عمرو قال: تخلف عنا النبی ﷺ فی سفرة سافرناها، فأدركنا، قد أرهقنا الصلاة ونحن نتوضأ، فجعلنا نمسح على أرجلنا، فنادى بأعلى صوته: ويل للأعقاب من النار''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں ہم لوگ پہلے نکل گئے حضور ﷺ بعد میں ہمارے قافلہ میں تشریف لے آئے، نماز کا وقت ہو چکا تھا، ہم نماز کی تیاری میں وضو کر رہے

تھے،اور اپنے پیراس طرح دھورہے تھے جیسے مسح کررہے ہوں، آپ ﷺ نے باآواز بلند فرمایا، پیر دھونے میں اگرایڑیاں خشک رہ جائیں تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے'' صحیح بخاری کتاب العلم،

عملی طریقہ تعلیم وتربیت:(Practically method)

آنحضرت ﷺ کے نظام تعلیم میں علم صرف ذہن ودماغ میں منتقل کئے جانے والا خشک مواد ہی نہ تھا، بلکہ زندگی کی جیتی جاگتی حقیقت تھا،اسی لئے کبھی کبھی آپ ﷺ علم سکھانے کے لئے ،شرعی مسائل کی تعلیم کے لئے عملی وتطبیقی منہج استعمال فرماتے تھے،آپ ﷺ مخاطب کوویسا عمل کرکے بتاتے تھے جس سے مخاطب کے ذہن ودماغ میں صورت مسئلہ کی مکمل شکل اچھی طرح مرتکز ہوجاتی تھی،عملی وتطبیقی منہج (Practically method) طرزتعلیم میں علمی اسلوب وطرز (Theoretically method) کے مقابلہ زیادہ مؤثر ہے،ابن ماجہ ابوداؤدوغیرہ میں منقول ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے وضو کے بارے میں دریافت کیا،

" فقال یا رسول الله کیف الطهور؟ فدعا بماء فی اناء، فغسل کفیه ثلاثا، ثم غسل وجهه ثلاثا، ثم غسل ذراعیه ثلاثا، ثم مسح برأسه فأدخل أصبعیه السباحتین فی أذنیه، ومسح بابهامیه علی ظاهر أذنیه،وبالسباحتین باطن أذنیه ثم غسل رجلیه ثلاثا،ثم قال: هکذا الوضوء فمن زاد علی هذا أو نقص فقد أساء وظلم"

سائل نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ! پاکی کا طریقہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ایک برتن میں پانی منگایا، تین مرتبہ ہاتھ دھوئے، تین مرتبہ چہرہ دھویا، پھر تین مرتبہ کہنیوں تک ہاتھ دھوئے ، پھرسر کا مسح کیا، اپنی دونوں شہادت کی انگلیاں کانوں میں ڈالیں، انگوٹھے سے کان کے اوپری سطح پراورانگلیوں سے کان کے اندرکی جانب مسح فرمایا، پھرتین مرتبہ دونوں پیر دھوئے، اس کے بعد فرمایا، وضوء اس طرح ہوتا ہے، جس نے اس سے زیادہ یا کم کیا اس نے غلط کیا اور ناانصافی سے کام لیا''

مسلم شریف کی روایت ہے ایک موقع پرایک صاحب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور نمازوں کے اوقات کے بارے میں معلوم کیا، آپ ﷺ نے فرمایا" **صل معنا هذين يعني اليومين** "ہمارے ساتھ رہ کر دو دن نمازیں پڑھو، چنانچہ اس شخص نے دو دن قیام کیا، اور آپ ﷺ نے پہلے دن ہر نماز کو اس کے ابتدائی وقت میں ادا فرمایا، اور دوسرے دن ہر نماز کو اس کے آخری وقت میں ادا فرمایا، اور اس کے بعد ارشاد فرمایا" **أين السائل عن وقت الصلاة، فقال الرجل : أنا يا رسول الله،قال: وقت صلاتكم ما رأيتم** " نمازوں کے اوقات کے بارے میں معلومات کرنے والا شخص کہاں ہے، اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول میں حاضر ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: دو دن تک جو تم نے دیکھا ہے نمازوں کے اوقات اسی کے درمیان ہیں"

سیرت نبوی اور احادیث کے ذخیرہ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ طریقہ و منہج بہت مؤثر و مفید ہے، بلکہ گھنٹوں اور ہفتوں کے محاضرات کے مقابلہ مختصر عملی تعلیم زیادہ افادیت کی حامل ہے، عجیب بات ہے ہمارے تعلیمی اداروں میں کتب و درسیات کی تعلیم سے اس کی فرصت ہی نہیں ملتی کہ عملی طور پر بھی کچھ مسائل سکھائے جائیں، اسی لئے بہت سے امور صرف پڑھے جاتے ہیں اور ان پر عمل کی کوئی نوبت ہی نہیں آتی، ان کے بارے علم کا استحضار باقی نہیں رہتا، طریقہ تجہیز و تکفین، نماز کسوف و خسوف، استسقاء، وصلاۃ خوف، وغیرہ کے مسائل کتنے فارغ التحصیل علماء ہیں، جو زمانہ سے اگر چہ شغل تدریس میں لگے ہیں لیکن عملی طور سے اس کو برت کر نہیں بتا سکتے، حج و عمرہ کے مسائل پر اچھا لکچر دے سکتے ہیں، مگر دیکھا گیا ہے کہ حرم میں پہنچنے کے بعد خود حیران ہو جاتے ہیں کہ اب کیا کریں، ظاہر ہے کہ اگر اس طرح کے مسائل میں عملی و تطبیقی منہج استعمال کیا جائے تو زیادہ مفید و ثمر آور ہوگا،

باہم گفتگو اور سوال و جواب کے ذریعہ طرز تعلیم:

اسالیب تعلیم میں طلبہ کے ساتھ باہم گفتگو، اور مخاطب کے ذہن و توجہ کو مستحضر کرنے کے لئے سوال و جواب کا طریقہ بہت مفید ہوتا ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ اپنی مجالس میں مسائل سکھانے کے لئے بسا اوقات صحابہ کرام سے سوال کرتے، ان کی عقل و ذہن کو متوجہ فرماتے تھے،

تا کہ جو کچھ کہا جائے اس کی جانب ان کے ذہن ودماغ بالکل حاضر ہوں، اس طریقہ کو ''اسلوب الحوار'' (Interactive Method) کہہ سکتے ہیں، سوال اور باہم گفتگو کا اسلوب عقلی وفکری صلاحیتوں کی ترقی اور مسائل کو اچھی طرح سمجھنے، نیز استحضار ذہن کے لئے انتہائی مفید ہے،

احادیث نبویہ میں اس کی بھی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں، صحیح بخاری میں ہے

عن أبی هريرة رضی الله عنه أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: أرأيتم لو أن نهرا بباب أحدكم يغتسل منه كل يوم خمس مرات، هل يبقى من درنه شیء؟ قالوا: لا يبقى من درنه شیء، قال: فذلك مثل الصلوات الخمس يمحوالله بهن الخطايا'' رواه البخاری

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگوں تمہارا کیا خیال ہے اگر کسی شخص کے دروازہ پر نہر جاری ہو، اور وہ دن میں پانچ مرتبہ اس میں غسل کرتا ہو، کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا: ایسے شخص کے جسم پر کچھ بھی گندگی نہیں ہوگی، تب آپ ﷺ نے فرمایا: بس یہی مثال دن میں پانچ نمازوں کی ہے، اللہ تعالی اس کے ذریعہ خطاؤں کو مٹادیتا ہے،

اسی طرح ایک اور روایت ملاحظہ ہو، مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی منقول ہے، ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

''أتدرون من المفلس؟ قالوا: المفلس فينا من لا درهم له ولا متاع، فقال: ان المفلس من أمتی من يأتی يوم القيامة بصلاة وصيام وزكاة، ويأتی، قد شتم هذا، قذف هذا، وأكل مال هذا، سفك دم هذا، وضرب هذا، فيعطى هذا من حسناته، وهذا من حسناته، فان فنيت حسناته قبل أن يقضى ما عليه، أخذ من خطاياهم فطرحت عليه، ثم طرح فی النار''

''حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ مفلس وغریب کون شخص ہے؟ لوگوں نے عرض کیا: جس کے پاس درہم ودینار، مال واسباب موجود نہ ہو، وہ غریب ومفلس ہوتا ہے،

آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وقلاش وہ شخص ہوگا، جو حشر کے میدان میں بہت سی نیکیوں کے ساتھ آئے گا، لیکن کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال ناحق کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، لہذا اس کی نیکیوں میں سے ان مظلوموں کو دیا جائے گا، اوران لوگوں کو اس کی نیکیاں تقسیم کردی جائیں گی، اگر تمام لوگوں کا حساب بے باق ہونے سے قبل اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو لوگوں کے گناہ و برے اعمال اس کے سر ڈال دئے جائیں گے، اور یوں وہ اپنی پونجی گنوا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا“

سیرت نبوی میں اس اسلوب اور طرز کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، کہ پہلے آپ ﷺ سوال فرماتے، لوگوں کو غور وفکر اور سوچنے کا موقع دیتے، ان کی رائے معلوم کرتے تھے، اور پھر اس کے بعد آپ اصل مقصد اور گفتگو کے مغز و جوہر کو واضح فرماتے، حقائق کو بیان فرماتے تھے،

بلکہ بعض دفعہ آپ ﷺ کے طرز تعلیم و اسلوب تربیت میں مخاطب کے ساتھ غور فکر، عقلی محاکمہ کا اسلوب ہوتا تھا، آپ ﷺ مخاطب کی قناعت اور اچھی طرح بات کو ذہن نشین کرنے کے لئے خود مخاطب کو موقع عنایت فرماتے، کہ وہ غور وفکر اور عقلی موازنہ کرے، اور اس کے ذریعہ منطقی ومعقول، اور فطری فیصلہ کی جانب مخاطب کی توجہ مبذول کراتے تھے، اس کی عقل وضمیر کو مہمیز فرماتے تھے،

امام احمدؒ نے مسند میں مشہور واقعہ ذکر کیا ہے:

عن أبی أمامة الباهلیؓ قال: ان فتی شابا أتی النبی ﷺ فقال: یا رسول الله ! ائذن لی بالزنا، فأقبل القوم علیه، فزجروه، قالوا، مه مه، فقال: أدنه، فدنا منه قریبا، قال: فجلس، قال: أتحبه لأمك، قال : لا، والله جعلنی الله فداءك، قال: ولا الناس یحبونه لأمهاتهم، قال: أفتحبه لابنتك؟، قال: ؛لا والله یارسول الله، جعلنی الله فداءك، قال: ولا الناس یحبونه لبناتهم، قال: أفتحبه لأختك؟، قال : لا ،والله جعلنی الله فداءك، قال: ولا الناس یحبونه لأخواتهم، قال: أفتحبه لعمتك، قال : لا، والله جعلنی الله فداءك، قال: ولا

الناس يحبونه لعماتهم، قال: أفتحبه لخالتك، قال: لا،والله جعلني الله فداءك،قال ، ولا الناس يحبونه لخالاتهم،قال: فوضع يده عليه،وقال: اللهم اغفر ذنبه،وطهر قلبه،وحصن فرجه،فلم يكن بعد ذلك الفتى يلتفت الى شيء'' رواہ احمد

حضرت ابوامامہ باہلی سے روایت ہے کہ ایک نوجوان حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا،اورعرض کیا،اے اللہ رسول! مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے،حاضرین اس پر ناراض ہوئے، اور اسے ملامت کرنے لگے،حضورﷺ نے اس نوجوان کو قریب بلایا،وہ قریب آکر بیٹھا،آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اپنی ماں کے لئے پسند کرتے ہو کہ کوئی اس کے ساتھ زنا کرے،اس نے کہا،اللہ کے رسول میں آپ پر قربان،خدا کی قسم ہرگزنہیں،آپﷺ نے ارشادفرمایا: اسی طرح کوئی بھی اپنی ماں کے ساتھ اس کو پسند نہیں کرتا،کیا تم اپنی بیٹی کے ساتھ پسند کروگے؟ اس نے کہا،اللہ کے رسول میں آپ پر قربان،خدا کی قسم ہرگزنہیں،آپﷺ نے فرمایا: اسی طرح کوئی بھی اس کو اپنی بیٹی کے لئے پسند نہیں کرے گا،کیا تم اپنی بہن کے لئے پسند کروگے؟ اس نے کہا،اللہ کے رسول میں آپ پر قربان،خدا کی قسم ہرگزنہیں،آپﷺ نے فرمایا: اسی طرح کوئی بھی اپنی بہن کے لئے پسند نہیں کرے گا،کیا تم اپنی پھوپھی کے لئے پسند کرگے؟ اس نے کہا،اللہ کے رسول میں آپ پر قربان،خدا کی قسم ہرگزنہیں،آپﷺ نے فرمایا: کوئی بھی اپنی پھوپھی کے لئے اس کو پسند نہیں کرے گا،کیا تم اس کو اپنی خالہ کے لئے پسند کروگے؟ اس نے کہا،اللہ کے رسول میں آپ پر قربان،خدا کی قسم ہرگزنہیں،آپﷺ نے فرمایا: کوئی اور بھی اس کو اپنی خالہ کے لئے نہیں پسند کرے گا،اس کے بعد آپﷺ نے اس پر اپنا دست مبارک رکھا،اور دعا فرمائی: اے اللہ اس کے گناہ کو معاف فرما،اس کے دل کو پاک فرما،اس کی آبرو کی حفاظت فرما،اس کے بعد وہ نوجوان کسی ایسی چیز کی جانب متوجہ نہیں ہوتا تھا''

یہ حضورﷺ کی تعلیم وتربیت کا ایک اسلوب تھا،اس کو''اسلوب الحوار'' کہا جاتا ہے، اس طرز واسلوب سے مخاطب کو جو قناعت،فکری وعقلی اطمئنان نصیب ہوتا ہے،اس کی عقلی وفکری

قوتیں صیقل ہوتی ہیں، وہ کسی اور طرح کم ہوتی ہیں، ماہرین تعلیم اور علماء نفسیات متفق ہیں کہ محض طریقہ تلقین قوت فکر وعقل میں جمود پیدا کرتا ہے، لیکن باہم گفتگو، سوال وجواب (Interactive Method) صلاحیتوں کو ابھارنے میں بہت نمایاں کردار ادا کرتا ہے،

آنحضرت ﷺ اسی طرح اپنے اسالیب تعلیم میں کبھی قیاس (Analogy) کا طریقہ بھی استعمال فرماتے تھے، اس اسلوب میں بھی مخاطب کے سامنے مسئلہ کی تفہیم وتقریب کے لئے اسی کے ذہن وعقل کو متوجہ کیا جاتا ہے، اور کسی معروف نظیر پر قیاس کے ذریعہ سمجھایا جاتا ہے، حکم کی علت وسبب کے اتحاد کی وضاحت ہوتی ہے، صحیح بخاری کی روایت ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أن امرأة من جهينة جاء ت الى النبی ﷺ، فقالت ان أمی نذرت أن تحج، فل تحج حتى ماتت، أفأحج عنها؟ قال حجی عنها، أرأيت لوكان على أمك دين، أكنت قاضية؟ قالت: نعم، قال اقضوا الله الذى له، فالله أحق بالوفاء"

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک قبیلہ جہینہ کی ایک صحابیہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور عرض کیا: اللہ کے رسول! میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی، مگر حج کرنے سے پہلے ان کا انتقال ہوگیا، اور وہ اپنی نذر پوری نہ کرسکیں، کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ان کی طرف سے تم حج کرسکتی ہو، اگر تمہاری ماں پر کسی کا قرض ہوتا، کیا تم اس کو ادا کرتیں، اس عورت نے کہا: جی ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: پس جو اللہ کا قرض ہے وہ ادا کرو، خدا تعالی زیادہ حق دار ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے''

اس کی بھی بہت سی مثالیں حدیث نبوی میں ملتی ہیں، آپ ﷺ نے تعلیم اور مسائل سکھانے میں اس کا خیال فرمایا کہ مخاطب کے سامنے معروف نظیر پر قیاس کرکے اس کا حکم بتایا جائے۔

معلم انسانیت کا اسوہ حسنہ اور اخلاق وکردار:

حضور ﷺ کی شخصیت پوری انسانیت کے لئے نمونہ عمل، اسوہ حسنہ ہے، آپ ﷺ

معلم بھی تھے، مربی بھی، مجسم رحمت بھی تھے، اور پیکر اخلاق بھی، آپ ﷺ کا ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ آپ کی پوری زندگی اخلاق وکردار وحی ربانی اور قرآن کریم کا سراپا تھی، اسی لئے حضرت عائشہ فرماتی تھیں: ''کان خلقه القرآن ''حضور ﷺ کے اخلاق قرآن کریم کا عکس و پرتو تھے، آپ ﷺ کا معاملہ صحابہ کرام کے ساتھ محض خشک مزاج معلم کا نہ تھا، بلکہ ایک خوش اخلاق، منکسر المزاج، پیکر علم وعمل مربی کا تھا، امام شاطبی نے اپنی مشہور کتاب ''اعتصام'' میں فرمایا ہے: ''**وانما كان عليه السلام خلقه القرآن لأنه حكم الوحي على نفسه، حتى صار في علمه وعمله على وفقه** ''حضور ﷺ کے اخلاق قرآن ہی تھے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے وحی الہی کے جملہ احکام کو اپنے اوپر منطبق فرمایا تھا، یہاں تک کہ اپنے علم وعمل میں وحی کے مطابق ڈھل گئے تھے''

اسی طرح آپ ﷺ بحیثیت معلم صرف احکام بیان نہیں فرماتے تھے، یا آمرانہ انداز تربیت نہیں تھا، بلکہ آپ ﷺ شرعی مسائل بیان فرماتے تھے، منکر کی نکیر فرماتے تھے، اچھے کام پر ہمت افزائی فرماتے تھے، خوش اخلاقی وتواضع سے پیش آتے تھے، خود عمل کر کے لوگوں کو عمل کی تحریض فرماتے تھے، خیر کے کاموں میں پیش قدمی فرماتے تھے، آنحضرت ﷺ کا انداز تربیت وتعلیم کا ایک انوکھا طرز مسلم وابوداؤد کی مندرجہ ذیل حدیث کی روشنی میں ملاحظہ ہو:

عن جابر بن عبد الله قال: أتانا رسول الله ﷺ في مسجدنا هذا، وفي يده عرجون ابن طاب، فرأى في قبلة المسجد نخامة، فحكها بالعرجون، ثم أقبل علينا فقال: أيكم يحب أن يعرض الله عنه؟، قال: فخشعنا، ثم قال: أيكم يحب أن يعرض الله عنه؟، قال فخشعنا، ثم قال: أيكم يحب أن يعرض الله عنه؟ قال: قلنا: لا أينا يا رسول الله!، قال فان أحدكم اذا قام يصلى فان الله قبل وجهه، فلا يبصقن قبل وجهه، ولا عن يمينه، وليبصق تحت رجله اليسرى، فان عجلت به بادرة، فليتفل بثوبه هكذا، –ثم طوى ثوبه بعضه على بعض– ثم قال: أروني عبيرا، فقام فتى

من الحي يشتد الى أهله،فجاء فخلوق فی راحته،فأخذه رسول الله ﷺ فجعله فی رأس العرجون،ثم لطخ بها علی أثر النخامة، قال جابر: فمن هناك جعلتم الخلوق فی مساجدکم"

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ مسجد میں ہمارے پاس تشریف لائے، آپ کے ہاتھ میں کھجور کی خشک شاخ تھی، آپ ﷺ نے مسجد میں سامنے کے حصہ میں دیوار پر تھوک لگا دیکھا، اور ہماری جانب متوجہ ہوکر فرمایا: تم میں کون شخص یہ چاہتا ہے کہ خدا تعالی اس سے اعراض فرمائے؟ ہم سہم گئے، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: تم میں کون شخص یہ چاہتا ہے کہ خدا تعالی اس سے اعراض فرمائے؟ ہم سہم گئے، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: تم میں کون شخص یہ چاہتا ہے کہ خدا تعالی اس سے اعراض فرمائے؟ ہم سہم گئے، ہم نے عرض کیا نہیں، اللہ کے رسول ہم میں سے کوئی یہ نہیں چاہتا، اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جب کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، تو اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ رب العزت اس کے سامنے ہے، چاہئے کہ وہ اپنے سامنے یا اپنے دائیں جانب نہ تھوکے، بلکہ ضرورت ہو تو بائیں پیر کے نیچے تھوک لے، اگر اچانک تیزی سے اس کی ضرورت محسوس ہو تو اپنے کپڑے میں اس طرح تھوک صاف کر لے -آپ ﷺ نے اپنے کپڑے کو لپیٹ کر دکھایا- پھر فرمایا: کسی کے پاس خوشبو ہو تو لاؤ، محلّہ کا ایک نوجوان اپنے گھر سے دوڑ کر ہاتھ میں کچھ خوشبو لے کر آیا، آپ ﷺ نے اس کو لیا، اور کھجور کی شاخ کے کنارے پر لگایا، اور اس کے ذریعہ دیوار کے متأثرہ حصہ پر مل دیا، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں، تم نے یہیں سے مساجد میں خوشبو لگانے کا اہتمام سیکھا ہے"

اس حدیث میں آپ ﷺ نے ایک طرف اپنے اس انداز سے صحابہ کو اس مسئلہ کی سنگینی کی طرف توجہ دلائی، منکر پر نکیر فرمائی، اور خود عمل کر کے لوگوں میں ایک زبردست جذبہ عمل بیدار کیا، مسجد کا ادب واحترام سکھایا،

تعلیم میں تدریجی مراحل کا لحاظ:

عہد نبوی کے نظام تعلیم میں ایک خاص بات یہ نظر آتی ہے کہ اس میں موضوع ومضمون

میں تدریجی مراحل کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے، یہی شرعی نصوص واحکام کی بھی خصوصیت ہے، چنانچہ شراب کو یکبارگی حرام نہیں کیا گیا، بلکہ تدریجا اس کی حرمت اس طرح نازل ہوئی کہ شراب کے خوگر معاشرہ میں اس کی نفرت وگھن پیدا ہوگئی، آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو تعلیم دینے میں اسی تدریج وترتیب کا خیال رکھا، بالفاظ دیگر کہا جاسکتا ہے کہ الأ ھم فالاھم کے تحت جو بات جتنی ضروری واہم تھی تعلیم میں اس کی ترتیب کا خیال رکھا گیا، تاکہ سمجھنے اور عمل کرنے دونوں میں سہولت ہو، چوں کہ عہد نبوی میں علم صرف معلومات کا نام نہیں تھا بلکہ وہ حیات انسانی کا زندہ وتطبیقی نظام تھا، جو پڑھا جاتا وہ شب وروز کی عملی حقیقت اور شعبہ ہائے زندگی کا خاکہ ہوتا تھا، علم عمل کے سانچوں میں ڈھلتا تھا، زندگی کے ہرگوشہ میں اس کی جلوہ نمائی صاف نظر آتی تھی،

عن جنب بن عبدالله قال: كنا مع النبی ﷺ ،ونحن فتيان حزاورة،فتعلمنا الايمان قبل أن نتعلم القرآن، ثم تعملنا القرآن، فازددنا به ايمانا'' رواہ ابن ماجہ

حضرت جنب بن عبد اللہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم چند قریب البلوغ نوجوان تھے، ہم نے قرآن سے پہلے ایمان سیکھا تھا، پھر ہم نے قرآن سیکھا، اوراس ترتیب کی وجہ سے قرآن پر ہمارا ایمان مزید دوبالا ہوگیا''

قرآن مجید سیکھنے سے پہلے جس ایمان کے سیکھنے کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے، دراصل یہی وہ روح اور جذبہ دروں ہوتا تھا، جو علم کو زندگی کا رہبر بناتا تھا، جو خلوت وجلوت کے ہنگاموں کو علم کی فرمانروائی کی ماتحتی سکھاتا تھا، یہی وہ جوہر لطیف تھا جس نے علم حاصل کرنے والوں کو انسانیت کا حدی خواں بنایا تھا، اسی جذبہ وروح کی وجہ سے تعلیم کے وہ نتائج سامنے آئے جن پر تاریخ انسانی ناز کرتی ہے، مسند احمد کی ایک اور روایت ملاحظہ ہو:

عن أبی عبدالرحمن قال: حدثنا من كان يقرئنا من أصحاب النبی ﷺ أنهم كانوا يقترئون من رسول الله ﷺ عشر آيات، فلا يأخذون فی العشر الأخری حتی يعلموا ما فی هذه من العلم والعمل،قالوا فعلمنا العلم

والعمل" رواہ احمد

ابوعبدالرحمٰن سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ صحابہ رسول ﷺ میں سے جو ہمیں قرآن پڑھاتے تھے ان کا بیان ہے کہ وہ لوگ حضور ﷺ سے دس آیات سیکھتے تھے، اس کے بعد دوسری مزید دس آیات اس وقت سیکھتے تھے جب سابقہ آیات میں موجود علم اور عمل کو اچھی طرح جان لیتے تھے، فرماتے ہیں کہ ہم نے علم اور عمل دونوں سیکھے ہیں،

تعلیمی نظام میں تدریج اور ترتیب کا اشارہ حضرت معاذ بن جبلؓ کے مشہور واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے، جب حضور ﷺ نے انہیں یمن کا معلم بنا کر بھیجا تھا تو یہ ہدایت ارشاد فرمائی تھی

"انك تأتى قوما من أهل الكتاب،فادعهم الى شهادة أن لا اله الا الله،وأنى رسول الله،فان هم أطاعوا لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات فى كل يوم وليلة،فان هم أطاعوا لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم،وترد على فقرائهم،فان هم أطاعوا لذلك فاياك وكرائم أموالهم،واتق دعوة المظلوم،فانه ليس بينه وبين الله حجاب"

اے معاذ تم اہل کتاب کی قوم کے پاس جا رہے ہو، انہیں توحید و رسالت کے اقرار کی دعوت دینا، جب وہ اس کو تسلیم کر لیں، تو انہیں بتانا کہ اللہ نے شب و روز میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جب وہ یہ مان لیں، تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان کے اموال میں صدقہ واجب فرمایا ہے، جو ان کے اہل ثروت و دولت سے وصول کیا جائے گا، اور انہی کے غریبوں و ناداروں کو دیا جائے گا، جب وہ یہ بھی مان لیں اور اطاعت کریں، تو تم ان کے بہترین اموال کو حاصل کرنے اور لینے سے پرہیز کرنا، اور دیکھو مظلوم کی بد دعا سے دور رہنا، اس لئے کہ مظلوم اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا"

حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ کو معلم بنا کر یمن بھیجا، اور یہ ہدایات دیں کہ اہل یمن کی تعلیم و تربیت میں اس ترتیب و تدریج کا خیال رکھیں،

امتحان و جائزہ:

آپ بسا اوقات صحابہ کرام کی صلاحیتوں، استعداد، اوران کی علمی ترقی، فہم وادراک کا جائزہ بھی لیتے تھے، امام بخاریؒ نے فرمایا ہے: باب طرح الامام المسئلة علی أصحابه لیختبر ما عندهم من العلم'' امام اور مربی کے اپنے شاگردوں، اور تلامذہ کا امتحان لینے کا بیان'' اور انہوں نے اپنی بلند نظری وژرف نگاہی، اور حسن انتخاب سے حدیث ذکر فرمائی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، اور سوال کیا، بتاؤ وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے کبھی کسی موسم میں نہیں جھڑتے، وہ اپنی سدابہاری، وشادابی، اور افادیت میں مسلمان کی طرح ہے، لوگ جنگل کے مختلف درختوں پر غور کرنے لگے کہ ایسا کون سا درخت ہے، میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، صحابہ نے عرض کیا، اللہ کے رسول! آپ ہی ارشاد فرمادیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے،

آپ ﷺ نے بعض دفعہ جائزہ لیا، کسی سے سوال کیا، اور اچھا جواب دینے پر تعریف وتوصیف بھی فرمائی، کیوں کہ یہ ایک طبعی بات ہے کہ کسی کی تعریف کرنے سے اس کی ہمت افزائی ہوتی ہے، اس کی صلاحیت کو مزید جلا ملتی ہے،

مسلم شریف میں حضرت ابی بن کعبؓ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

یا أبا المنذر ،أتدری أی آیة من کتاب الله معك أعظم،قلت : الله لا اله الا هو الحی القیوم،فضرب فی صدری،وقال: لیهنئك العلم أبا المنذر''

''ابومنذر، بتاؤ قرآن مجید کی سب سے عظیم آیت کونسی ہے؟ میں نے عرض کیا: آیت الکرسی، آپ ﷺ نے میرے سینے پر ازراہ شاباشی ہاتھ رکھا، اور فرمایا: ابومنذر! علم مبارک ہو

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ بسا اوقات صحابہ کو ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے تیار فرماتے تھے، اور جائزہ لیتے تھے کہ آپ ﷺ کے فیض یافتہ کس طرح اپنی ذمہ داریاں ادا کریں گے، مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے منقول ہے کہ دو حضرات باہم

جھگڑتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ،تو آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے مخاطب ہوکرفرمایا:''**اقض بينهما، قال: وأنت هاهنا يا رسول الله؟ قال: نعم، قال على ما أقضي؟ قال: ان اجتهدت فأصبت فلك عشرة أجور،وان اجتهدت فأخطأت فلك أجر**'' رواہ احمد

اے عمروؓ! تم ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو، انہوں نے عرض کیا، اللہ کے رسول کیا میں آپ کی موجودگی میں فیصلہ کروں؟!!، آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ،تم فیصلہ کرو، انہوں نے عرض کیا، میں کس طرح کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے اجتہاد سے کام لیکر صحیح فیصلہ کردیا تو تمہیں دس اجرملیں گے، اور اجتہاد کیا لیکن فیصلہ میں چوک ہوگئی ،تو ایک اجر ملے گا''

آپ ﷺ نے جہاں ایک طرف ان کی ہمت افزائی فرمائی ، وہیں دوسری جانب اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کی صلاحیتوں کو پرکھتے تھے ،اور دیکھتے تھے کہ وہ اپنی صلاحیت سے کس طرح ذمہ داری نبھائیں گے ،اس سے ان کے اندر مختلف میدانوں میں کام کا حوصلہ اور صحیح شعور ملتا تھا،

معلم انسانیت کے بیٹھنے کی ہیئت:

معلم انسانیت کھڑے ہوکر بھی پڑھاتے تھے اور بیٹھ کر بھی ، ابو نعیمؒ نے مدرسہ نبوت کے مشہور طالب علم حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے۔

عن انس قال: أقبل أبوطلحة يوما، فاذا النبى ﷺ قائم يقرئ أصحاب الصفة، على بطنه فصيل من حجر يقيم صلبه من الجوع.(أبو نعيم فى الحلية ١ / ٣٤٢=شرح حياة الصحابة ٣ / ٦٦٩)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت ابوطلحہؓ آئے تو دیکھا کہ حضور ﷺ کھڑے ہوئے صفہ کے طلباء کو پڑھا رہے ہیں ،آپکے پیٹ پر ایک پتھر بندھا ہوا ہے جس سے بھوک کی حالت میں کمر سیدھی ہے

اسکے علاوہ حضور ﷺ کرسی پر بیٹھ کر بھی تعلیم دیتے تھے، اور آپ ﷺ سے کرسی پر

پڑھانا ثابت ہے، امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں ابورفاعہ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

عن أبی رفاعة قال! انتهیت الی رسول ﷺ و هو یخطب قال! فقلت :یا رسول الله ! رجل غریب جاء لیسأل عن دینه لا یدری ما دینه قال! فأقبل علی رسول الله ﷺ، و ترك خطبته حتی انتهی الی ، فأتی بکرسی، حسبت قوائمه حدیدا، قال! فقعد علیه رسول الله ﷺ وجعل یعلمنی مما علمه الله، ثم أتی خطبته، فأتم آخرها"

"حضرت ابورفاعہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کے نبی کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ خطاب فرمارہے تھے، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک پردیسی آدمی ہوں، دین کے بارے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں، وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور اپنے خطاب کو نامکمل چھوڑ دیا، حتی کہ میرے پاس تشریف لے آئے، تو آپ کے پاس ایک کرسی لائی گئی، مجھے خیال ہے کہ شاید اسکے پائے لوہے کے تھے، آپ اس پر بیٹھ گئے اور مجھے دین کی معلومات سکھانے لگے، اسکے بعد آپ نے اپنے خطبہ کو مکمل کیا"

اس حدیث سے حضور کے طریقہ تدریس، تعلیم کی اہمیت، طلباء کیساتھ استاد کا انداز محبت وشفقت اور ایک اجنبی مسافر کی تعلیم کیلئے دوسرے کاموں کو اگرچہ وہ بھی اسی سے متعلق ہو مؤخر کرنا، آپکا شوق علم وغیرہ ان تمام امور کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

توضیحی وسائل کا استعمال:

حضور ﷺ نے مسائل کی وضاحت اور صحابہ کے تقریب فہم کے لئے متعدد وسائل اختیار فرمائے، حضور ﷺ تفہیم کے لئے اور مسائل کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کیلئے کبھی مثال سے سمجھاتے تھے، کبھی نقشہ سے سمجھاتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے انسان کی خواہشات، مختصر زندگی، اور موت کو سمجھانے کے لئے زمین پر خطوط اور نشان بنا کر سمجھایا، آپ ﷺ کی تمثیلات اور اشاروں پر مستقل کتابیں تیار ہوسکتی ہیں، صحابہ کرام کو پڑھانے اور تعلیم دینے کے لئے، ان کو دینی مسائل اور حقائق سمجھانے کے لئے آپ ﷺ نے یہ سب طریقے اختیار فرمائے، بسااوقات کوئی

چیز دکھا کر وضاحت فرمائی،

عـن ابـن مسـعـودؓ قال: خط النبی ﷺ خطا مربعا، وخط خطا فی الـوسط خارجا منه،وخط خططا صغارا الی هذا الذی فی الوسط من جانبه الـذی فـی الـوسـط،فـقـال: هذا الانسان، وهذا أجله محیطا به،– أو أحاط به– وهذا الذی هو خارج أمله،وهذه الـخطط الصغار الأعراض،فان أخطأه هـذا،نهشـه هـذا،وان أخطأه هذا نهشه هذا، وان أخطأه کلها أصابه الهرم''

رواہ البخاری

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، کہ حضور ﷺ نے ایک مربع خط کھینچا،اور اس کے بیچوں بیچ ایک خط اس طرح کھینچا جس کا کچھ حصہ باہر نکلا ہوا تھا،درمیانی خط کے اطراف میں مربع کے اندر مزید کچھ چھوٹے چھوٹے خط بنائے،اور فرمایا،دیکھو یہ انسان کی حالت ہے، یہ مربع خط اس کی محدود زندگی ہے،مربع سے باہر کی لکیر اس کی آرزوئیں ہیں، جو زندگی سے زیادہ ہیں، یہ اطراف میں چھوٹے چھوٹے خطوط اچانک پیش آنے والے حوادث ہیں،انسان ایک حادثہ سے بچتا ہے،تو دوسرے میں گرفتار ہو جاتا ہے،ایک مشکل و پریشانی سے بچتا ہےتو دوسری کا شکار ہو جاتا ہے،اور سب سے بچ جائے تو بڑھاپا اور پیرانہ سالی کا ضعف تو لاحق ہو کر ہی رہتا ہے''

ان توضیحی خطوط کے ذریعہ آپ ﷺ نے صحابہ کو انسان کی محدود زندگی،لامحدود اور زندگی سے زیادہ خواہشات، اور مشکلات وحوادث میں گھری انسانی زندگی کی بہترین وضاحت فرمائی ہے،

امام احمد نے مسند میں ایک اور روایت بیان فرمائی ہے،حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہی مروی ہے''**خـط لـنـا رسـول الـله ﷺ خطا،ثم قال: هذا سبیل الله، ثم خط خـطـوطـا عـن یـمـیـنـه وعـن شماله،ثم قال: هذه سبل، علی کل سبیل منها شیـطـان،یـدعو الیه،ثم قرأ: وأن هذا صراطی مستقیما فاتبعوه، ولا تتبعوا**

السبل فتفرق بكم عن سبيله''

حضورﷺ نے ایک سیدھا خط کھینچا،اور فرمایا یہ صراط مستقیم خدا کا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں بائیں مزید کچھ خطوط بنائے،اور فرمایا یہ سب شیطان کی راہیں ہیں،ان میں ہر راستہ پر شیطان بیٹھا ہے،اور اپنی جانب دعوت دے رہا ہے،اس کے بعد آپﷺ نے بطور استشہاد قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی ''یہی میرا سیدھا راستہ ہے،پس تم اسی کی اتباع کرو،اور دیگر راستوں پر نہ چلو،ورنہ شیطان تمہیں سیدھے راستے سے بھٹکا دے گا،

مسائل کی توضیح کے لئے آپﷺ نے خطوط کے علاوہ حسی ومشاہداتی چیزوں سے بھی سمجھایا،جس چیز کی حرمت بتانا مقصود تھی تاکید وتوضیح کے لئے اس کو دکھا کر سمجھایا،

عن علی بن أبی طالبؓ یقول: أخذ رسول الله ﷺ حریرا بشماله،وذهبا بیمینه، ثم رفع بهما یدیه،وقال: ان هذین حرام علی ذکور امتی،حل لأناثهم'' رواہ ابوداؤد

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ میں ریشم کا کپڑا،اور بائیں ہاتھ میں سونا اٹھایا،اور لوگوں کو دکھا کر بتایا کہ یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے لئے جائز ہیں،

اس طرح سے آپﷺ مسئلہ کی وضاحت کے ساتھ حکم کی تاکید اور اچھی طرح تفہیم فرمائی،کتب احادیث میں اس کی بھی متعدد مثالیں ملتی ہیں،آپﷺ نے دنیا کی بے ثباتی اور بے حیثیت ہونے کو مردار بکری کے بچہ کی مثال سے سمجھایا،قرب قیامت کو اپنی دوانگلیوں کے اشارے سے بتایا،قبر کے عذاب کو اپنے ایک ہاتھ کی انگیوں کو دوسرے ہاتھ میں ڈال کر سمجھایا،اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ معلم انسانیت نے تعلیم وتفہیم کے لئے ممکنہ وسائل کا استعمال فرمایا،عجیب بات ہے کہ ہمارے بیشتر اداروں اور درسگاہوں میں معمولی درجہ کے بورڈ یا تفہیم کے وسائل بالکل مفقود ہوتے ہیں۔

حرکات وسکنات (Body Language) کا استعمال:

ماہرین تعلیم ونفسیات متفق ہیں کہ معلم ومحاضر کے کلمات سے زیادہ اس کی حرکات وسکنات Body Language، نیز آواز کے زیر وبم ،نشیب وفراز کا اثر زیادہ ہوتا ہے،اور ترسیل معلومات میں غیر شعوری طور پر اس کا گہرا اثر ہوتا ہے، آنحضرت ﷺ مسائل کی نوعیت کے لحاظ سے بسا اوقات حرکات وسکنات اختیار فرماتے تھے،کبھی آپ ﷺ نے قول اور اشارہ کو ایک ساتھ جمع فرمایا،

حضرت ابوموسی اشعری سے روایت ہے، کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک مومن دوسرے مومن کے لئے مضبوط عمارت کی مانند ہے،جس کی اینٹیں باہم ملکر مضبوطی پیدا کرتی ہیں ،اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر کے اشارہ فرمایا،

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، آپ ﷺ نے دو انگلیوں کو آپس میں ملا کر بتایا،

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ مضمون کی اہمیت ،اس کی نوعیت بلکہ سنگینی بتانے کے لئے اپنی ہیئت وحالت تبدیل فرماتے تھے،جیسا کہ حضرت ابوبکرہؓ فرماتے ہیں:

’’کنا عند رسول الله ﷺ ،فقال ألا أنبئكم بأكبر الكبائر،؟ ثلاثا،قلنا بلى يا رسول الله ،قال: الاشراك بالله وعقوق الوالدين، وكان متكئا،فجلس ،فقال: ألا وقول الزور،وشهادة الزور،ألا وقول الزور،وشهادة الزور،فما زال يكررها،حتى قلنا: ليته سكت‘‘ رواہ البخاری

حضرت ابوبکرہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمھیں کبیرہ گناہوں کے بارے میں نہ بتاؤں،ہم نے عرض کیا ،ضرور ارشاد فرمائیں اللہ کے رسول، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا،اور والدین کی نافرمانی، آپ ﷺ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے،اچانک سیدھے بیٹھ گئے ،اور فرمایا: جھوٹی گواہی دینا ،جھوٹی گواہی

دینا، آپ ﷺ بار بار دہراتے رہے، یہاں تک کہ ہم سوچنے لگے؛ کاش اب آپ ﷺ سکوت فرمالیتے،

اسی طرح مضامین کی مناسبت سے کبھی کبھار آپ کے چہرہ انور پر غصہ کے آثار نمایاں ہوتے، جیسے تقدیر کے بارے بحث کرتے ہوئے آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیکھا تو خفا ہوئے، اور حالت یہ تھی کہ گویا رخسار مبارک پر انار کے دانے نچوڑے گئے ہوں، اور آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا: تم سے پہلی قومیں اسی طرح کے مسائل میں بے فائدہ بحث ومباحثہ کی وجہ سے ہلاک کردی گئیں، یہ دراصل مختلف مسائل کی نوعیت اور اس کی اہمیت بتانے کے لئے ہادی انسانیت اور سیدالمرسلین کا انداز ہوتا تھا،

استادکیلئے ہدایت:

کسی بھی نظام تعلیم کے ڈھانچہ میں سب سے اہم کردار استاد کا ہے، طالب علم اسی کی فکر اور اسی کی روح اختیار کرتا ہے، طلباء کی ذہنیت انکی نشوونما وتربیت پر استاد کی فکر اور طرز و اسلوب کا گہرا اثر ہوتا ہے، نبی اکرم معلم انسانیت ﷺ نے اس باب میں اپنے حسین ترین اسوہ کے علاوہ مستقل ہدایات دی ہیں، دیلمی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت نقل کی ہے۔

''اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا! اپنے طلباء کے ساتھ نرم مزاجی ونرمی اختیار کرو، اور تم سخت مزاج وتندخومت بنو، مبادا کہ تمہاری جہالت تمہارے علم پر غالب آجائے''

اسی طرح ابن عبدالبر نے حضرت عمرؓ بن خطاب کا قول نقل کیا ہے:

عن عمرؓ قال! تعلموا العلم وعلموه الناس، وعلموا له الوقار والسكينه، وتواضعوا لمن تعلمتم منه ولمن علمتموه، ولا تكونوا من جبابرة العلماء فلا يقوم علمكم بجهلكم (جامع بيان العلم ،شرح حياةالصحابة ٣/٦٦٨)

حضرت عمرؓ نے فرمایا! کہ علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ نیز علم کا وقار وادب بھی سکھاؤ، اپنے طلباء واساتذہ کیساتھ تواضع ،نرمی خوش اخلاقی سے پیش آؤ، سخت مزاج تندخو علماء میں سے مت بنو،

اسلئے کہ تمہارا علم تمہاری جہالت کیساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔

طبرانی اور امام احمدؒ نے حضرت ابودرداء کی مندرجہ ذیل حدیث بھی نقل کی ہے:

عن أم الدرداء قالت: كان أبودرداء لا يحدث حديثا الا تبسم فيه، فقلت له انى أخشى أن يحمقك الناس، فقال كان رسول الله ﷺ لا يحدث حديثا الا تبسم فيه (رواه الطبرى۔شرح حياةالصحابة ٣ ٦٣٤)

حضرت ام درداء سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ ابودرداء جب بھی کوئی حدیث بیان کرتے تو مسکراتے تھے، میں نے ان سے عرض کیا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کے اس عمل کو لوگ حماقت نہ سمجھیں، تو انہوں نے فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ جب بھی کوئی حدیث بیان فرماتے تو آپ ﷺ مسکراتے تھے۔

ان روایات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ استاد کو اسلام نے طلباء کیساتھ خوش کلامی، نرم مزاجی، نرم گفتاری، و ملاطفت کی ہدایت کی ہے، تاکہ طالب علم بے خوف و بلا جھجھک استاد سے استفادہ کر سکے اگر استاد کی بدخلقی سختی وتندخوئی طلباء کیلئے حجاب بنتی ہے، تو حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی جہالت ہے۔

استاد کے تعلق سے طلباء کو ہدایت

ایک طالب علم کو اپنے استاد کے ساتھ محبت و تعلق، خلوص و وفا، اور ادب واحترام میں کس طرح ہونا چاہئے، اس کا اندازہ حضرات صحابہ کے حضور ﷺ کے ساتھ تعلق سے لگایا جاسکتا ہے، آپ ﷺ جس طرح معلم ومربی تھے، سیدالاولین والآخرین، اور خاتم الانبیاء بھی تھے، ظاہر ہے کہ ان کے تعلق پر کسی اور تعلق کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، ہاں آپ ﷺ کے فیض یافتہ حضرت علی بن ابی طالب ؓ کی مندرجہ ذیل روایت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک معلم واستاد کے ساتھ طالب علم کو کس طرح پیش آنا چاہئے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

ان من حق العالم أن لاتكثر عليه السوال، ولا تعنته فى الجواب، وأن لا تلح عليه اذا أعرض، ولا تاخذ بثوبه اذا كسل، ولا تشير اليه بيدك،

وأن لا تـغمزه بعينيك، وأن لاتسأل فى مجلسه، وأن لا تطلب زلته، وان زل تـأنيـت أوبتـه، وقبلت فيئته، وأن لا تقول: قال فلان خلاف قولك، وأن لا تـفشـى لـه سرا، وأن لا تغتاب عنده أحدا، وأن تـحفظه شاهدا وغائبا، وأن تـعـم الـقـوم بـالسلام، وأن تـخصه بالتحيتة، وأن لا تجلس بين يديه، وان كـانت له حاجة سبقت القوم الى خدمته، وأن لا تمل من طول صحبته ، انما هـو كـالـنـخلة تنتظر متى يسقط عليك منها منفعة، (ابن عبدالبر، فى جامع بيان العلم ، شرح حياةالصحابه ٣/٦٤٨)

استاد کے حقوق یہ ہیں کہ اس سے بہت زیادہ سوالات مت کرو، اس کو جواب دیتے ہوئے سخت کلامی مت کرو، اگر وہ اعراض کرے تو ضد مت کرو، اگر وہ سستی کرتا ہے تو تم اسکے کپڑے مت پکڑو، اپنے ہاتھ سے اسکی طرف اشارہ مت کرو، اسکی طرف آنکھیں مت چلاؤ، اسکی مجلس میں سوال مت کرو، اس کی لغزشوں کو مت ڈھونڈو، اگر اس سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو اس کے رجوع کا انتظار کرو، اور اس کے رجوع کو قبول کرو، اس کے سامنے یہ نہ کہو کہ فلاں کا قول آپ کے خلاف ہے، اس کا راز فاش مت کرو، اور اس کے پاس کسی کی غیبت نہ کرو، اس کی موجودگی و غیر موجودگی میں حفاظت کرو، دوسرے لوگوں کو عمومی سلام کرو اور استاد سے خصوصی سلام و ملاقات ادب کیساتھ کرو، اس کے سامنے ادب سے بیٹھو، اگر اس کو کوئی ضرورت ہو تو اوروں سے پہلے اسکی خدمت کی طرف لپکو، اس کی ہم نشینی سے نہ اکتاؤ، استاد پھل دار درخت کے مانند ہے انتظار کرو کہ کب اس سے تمہارے دامن میں کوئی پھل گرتا ہے،

یہ پاکیزہ نصائح اور استاد کے ادب کا بہترین تصور، بے مثال ذریں احکام آج ہمارے لئے سنگ میل ہے،

حسب ضرورت تبدیلی نصاب

صحابہ کرام کا علمی ذوق ومزاج ایسا تھا کہ ہمہ وقت تعلیم وتعلم میں مشغول رہتے تھے، وہ کوشش کرتے تھے کہ کوئی وقت بیکار ضائع نہ ہو، کسی نہ کسی خیر کے کام میں استعمال ہو جائے، اور یہ

سب تربیت نبوی کا نتیجہ تھا، وہ علم تو سیکھتے تھے، لیکن بے مقصد علم اور محض فلسفہ نہیں بلکہ ان کا علم عملی زندگی سے عبارت تھا، نظریات محض نظریات نہیں تھے بلکہ تطبیقی شکل میں تھے، چنانچہ شرعی علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ جب ان کو ضرورت محسوس ہوئی دوسری زبانوں اور دوسرے علوم کو حاصل کیا جائے تو بقدر ضرورت اس کو بھی حاصل کیا، مندرجہ ذیل احادیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلامی نظام تعلیم میں اصل اور ضروری علم کے بعد حسب ضرورت دیگر علوم کو سیکھنے کا بھی حکم دیا گیا ہے، نیز حسب ضرورت نصاب میں دوسرے علوم کو حاصل کرنا بھی ایک امر شرعی ہے، وہ شریعت ودین سے خارج یا اس سے انحراف نہیں ہے، دال میں جتنے نمک جتنے مرچ کی ضرورت ہو اس کو بھی استعمال کیا جاتا ہے لیکن اتنا نہیں کہ دال غائب ہو جائے اور نمک ہی نمک یا مرچ ہی مرچ رہ جائے، موجودہ نظام کے ناقدانہ جائزہ لینے کیلئے اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے کہ کون سے علوم کس حد تک ضروری ہیں، امام احمد ابن حنبلؒ نے حضرت زید کی مشہور حدیث نقل کی ہے:

قال زید بن ثابتؓ: قال لی رسول الله ﷺ تحسن السریانیه، انها تاتینی کتب، قال : قلت: لا ،قال: فتعلمتها فی سبعة عشر یوماً (مسند احمد ۵/۱۸۲)

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم سریانی جانتے ہو، میرے پاس کچھ مکتوب سریانی زبان میں آتے ہیں، انھوں نے عرض کیا کہ نہیں جانتا ہوں، حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ پس میں نے سریانی زبان کو سترہ دنوں کے اندر سیکھ لیا۔

اسی طرح کی روایت کو ابن عساکر اور ابو یعلیٰ نے نقل کیا ہے جسکے الفاظ یہ ہیں،

فقال رسول الله ﷺ تعلم لی کتاب یهود، فانی والله ماآمن یهود علی کتابی فتعلمته، فکنت أکتب لرسول الله ﷺ اذا کتب الیهم، وأقرء کتابهم اذا کتبوا الیه۔(روه ابو یعلی وابن عساکر شرح حیاة الصحابة ۲/۶۱۶)

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے لئے یہودیوں کی تحریر وکتابت کا علم

حاصل کرو، اس لئے کہ خدا کی قسم مجھے ان پر اپنی تحریر کے متعلق اعتماد نہیں ہے، تو میں نے اسکو سیکھ لیا، اور میں حضور ﷺ کی جانب سے لکھتا تھا، جب آپ ﷺ ان کو لکھنا چاہتے تھے، اور جب وہ کچھ لکھ کر حضور ﷺ کے پاس بھیجتے تھے تو میں ان کے خطوط ورسائل پڑھتا تھا۔

اسی طرح کنز العمال میں عربی ادب وشعر میں مہارت پیدا کرنے سے متعلق حضرت عمرؓ کے ارشاد گرامی نقل کئے گئے ہیں، بقدر ضرورت علم انساب، عربی ادب، اور علم نجوم سیکھنے کی روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے:

تعلموا من أنسابكم ما تصلون به أرحامكم ثم انتهوا،وتعلموا من العربية ما تعرفون به كتاب الله ثم انتهوا،وتعلموا من النجوم ما تهتدون به فى ظلمات البر والبحر ثم انتهوا، (كنز العمال ١٠/ ٢٢٥/رقم الحديث ٣٩١٦٢/)

فرمایا کہ: تم علم الانساب بھی اتنا سیکھو جس سے رشتہ داریوں کو پہچان کر حق ادا کر سکو، پھر رک جاؤ، اتنی عربی زبان بھی سیکھو جس سے قرآن فہمی پیدا ہو، پھر رک جاؤ، اتنا علم نجوم بھی حاصل کرو جس سے خشکی تری کے راستے معلوم کر سکو پھر رک جاؤ''

یہ احادیث یہ اندازہ کرنے کے لئے بالکل کافی ہیں کہ عہد اول کے نظام تعلیم میں جس چیز کی ضرورت ہوتی تھی بقدر ضرورت صحابہ کرام وہ بھی سیکھتے تھے، مثلاً حضرت علیؓ نے جب نحو کی ضرورت محسوس کی تو ابو الاسود دولی سے فرمایا:

ان الأعاجم قد دخلت فى الدين كافة فضع للناس شيئا يستدلون به على صلاح ألسنتهم (كنز العمال ١٠/ ٢٨٤۔رقم الحديث۔٢٩٤٥٧)

اس وقت عجمی لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہوئے ہیں، تم لوگوں کیلئے ایسے اصول مرتب کر دو جس سے وہ زبان کی درستگی اور اسکی اصلاح کر سکیں''

حاکم نے مستدرک میں روایت نقل کی ہے کہ:

حضرت عبد اللہ ابن زبیر کا حال یہ تھا کہ انکے سو غلام تھے، جو الگ الگ زبان جانتے

تھے،حضرت ابن زبیر ہرایک سے اسی کی زبان میں بات کرتے تھے،(شرح حیاۃ الصحابہ ۳/۶۱۶)

عہد نبوی میں نصاب تعلیم طے شدہ و متعین کتب کی شکل میں نہیں تھا،قرآن وسنت اور مسائل شرعیہ کے علاوہ حسب ضرورت امور پر توجہ دی جاتی تھی،ڈاکٹر حمید اللہ انصاری مرحوم فرماتے ہیں:

''نصاب کا مسئلہ ایسا مسئلہ ہے کہ پوری صحت کے ساتھ بیان کرنا دشواری سے خالی نہیں، ہمارے پاس جو مختلف اور محدود مواد موجود ہے،اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری نہ تھا،معینہ کتب کو پڑھانے کی جگہ معینہ معلم کے پاس لوگ جاتے اور جو کچھ پڑھا سکتا اس سے پڑھتے ،بہر حال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی،پیراکی،تقسیم ترکہ کی ریاضی،مبادی طب،علم ہیئت،علم الانساب اور علم تجوید القرآن کی تعلیم دی جایا کرے''(عہد نبوی میں نظام تعلیم ۱۶-۱۷)

آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد کتابت اور خوشخطی کی جانب خاص توجہ مبذول فرمائی،اور اس کا حکم دیا تھا،کتانیؒ نے ابن عبدالبر کی استیعاب کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے عبداللہ بن سعید بن العاصؓ کو حکم دیا تھا لوگوں کو مدینہ میں خوشخطی سکھائیں،وہ کتابت وخوشخطی میں مشہور تھے''

أمره رسول الله ﷺ أن يعلم الناس الكتابة بالمدينة،وكان كاتبا محسنا''

اسی طرح آپ ﷺ نے بعض صحابہ کو یمن صرف اس لئے بھیجا تھا کہ وہ وہاں رہ کر منجنیق،اور دیگر جنگی آلات حرب سیکھیں،چنانچہ عروہ بن مسعودؓ اور غیلان بن سلمہ حصار طائف میں اس لئے شریک نہیں ہوسکے تھے،کہ وہ منجنیق کی تکنیک سیکھنے یمن گئے ہوئے تھے،اس کے بعد غزوہ طائف میں اسی منجنیق وغیرہ طریقہ جنگ کو اختیار کیا گیا،

آج ہمارے مدارس،اور ارباب مدارس کو اپنی تعلیمی ڈھانچہ کو سامنے رکھکر یہ غور کرنا چاہئے کہ وقت کی ضرورت کیا ہے،زمانہ کی آواز کیا ہے،آج اعتدال غائب ہے،یا تو افراط ہے یا تفریط ہے،ضرورت ہے کہ توازن پیدا کیا جائے۔

ہم نصابی سرگرمیاں:

عہد نبوی میں تعلیم وتعلم سے اشتغال کے ساتھ بعض دیگر سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے،جیسے

تیراندازی، نشانہ بازی، کشتی، پیراکی، شہسواری ونیزہ بازی،

آپ ﷺ نے جسمانی نشاط وقوت کی تربیت کے لئے ان امور کا اہتمام کرنے کا حکم دیا تھا، آنحضرت ﷺ کا عمومی ارشاد ہے: ''المومن القوی خیر و أحب الی الله من المؤمن الضعیف، وفی کل خیر'' طاقتور وصحت مند مومن زیادہ بہتر اور خدا کو زیادہ محبوب ہے، کمزور مومن کے مقابلہ، اگر چہ دونوں اپنی اپنی جگہ بہتر ہیں''

حضور ﷺ جسمانی ورزش اور صحت کی درستگی کے اہتمام پر بھی خاص توجہ دیتے تھے، آپ ﷺ نے کچھ نوجوانوں کو تیراندازی کرتے دیکھ کر فرمایا تھا: **ارموا یا بنی اسماعیل، فان أباکم کان رامیا** '' بنی اسماعیل تیراندازی سیکھو، تمہارے باپ اسماعیل تیرانداز تھے، بلکہ تیراندازی کو سیکھ کر چھوڑ پر وعید سنائی ہے، مسلم شریف کی حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''**من علم الرمی، ثم ترکه فلیس مناأو قد عصی**'' جو شخص تیراندازی سیکھنے کے بعد چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں، یا اس نے نافرمانی کی'' امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں: ''**ھذا تشدید عظیم فی نسیان الرمی بعد علمه، وھو مکروہ کراھة شدیدة لمن ترکه بلا عذر**'' یہ شدید وعید اس کے حق میں وارد ہوئی ہے جو تیراندازی سیکھنے کے بعد چھوڑ دے، اس کو سیکھنے کے بعد بلا عذر چھوڑنا شدید ناپسندیدہ ہے'' ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ذکر کیا ہے حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمایا تھا'' **أن علموا صبیانکم العوم، ومقاتلتکم الرمی**'' اپنے بچوں کو تیراکی اور تیراندازی سکھاؤ،

اسی طرح آپ ﷺ دیگر سرگرمیوں کے بارے ہدایات ارشاد فرمائی ہیں، اور ان کی ہمت افزائی فرمائی ہے، شہسواری، دوڑ، کشتی، نیزہ بازی، تیراکی کے بارے میں مستقل واقعات وروایات کتب حدیث وسیرت میں موجود ہیں، مسجد نبوی میں اہل حبشہ کی نیزہ بازی کے مقابلہ کو دیکھا اور اس کی تشجیع فرمائی، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ایک مستقل رسالہ'' **الباحة فی فضل السباحة**'' اور '' **السماح فی أخبار الرماح** '' کے نام سے تحریر فرمائے ہیں، جو عہد نبوی کی ان سرگرمیوں سے متعلق روایات پر مشتمل ہیں، عجیب بات ہے کہ آج ہمارے بیشتر اداروں میں ان سرگرمیوں اور

جسمانی ورزش کا کوئی نظام ہی نہیں ہوتا، بلکہ بہت سے لوگ اس کو خارج دین تصور کرتے ہیں،

صحابہ کا ذوق اشاعت علم

تعلیم وتعلم سے اشتغال اور ہمہ وقت، ہمہ دم علم سے تعلق میں صفہ نبوی کے تلامذہ کا حال یہ تھا کہ کوئی موقع، کوئی وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے، جہاں بھی کوئی موقع پاتے تعلیم وتعلم کا سلسلہ شروع ہو جاتا، ہر مسجد ان کا اسکول تھی، انکا ٹائم ٹیبل خود ان کا ذوق وجستجوئے علم تھا، ہر فرد طالب علم بھی تھا اور جتنا سیکھ لیتا تھا اسکی اشاعت کیلئے استاد کے فرائض بھی انجام دیتا تھا، خود معلم انسانیت اپنے تلامذہ کا جائزہ لیتے تھے، ابویعلیٰؒ نے حضرت انس کی مندرجہ ذیل روات نقل کی ہے:

عن انسؓ قال: قعد أبوموسیؓ فی بيته واجتمع إليه أناس فأنشأ يقرأ عليهم القرآن قال: فأتی رسول الله ﷺ رجل فقال! يا رسول ﷺ ألا أعجبك من أبی موسی! قعد فی بيت واحد واجتمع إليه ناس فأنشأ يقرء عليهم القرآن فقال رسول الله ﷺ: أتستطيع أن تقعدنی حيث لا يرانی أحد منهم قال! نعم، فخرج رسول الله ﷺ، قال: فأقعده الرجل حيث لا يراه منهم أحد، فسمع قراءة أبی موسی، فقال: إنه يقرء علی مزمار من مزامير آل داؤد (راه ابو يعلی ، حياةالصحابة ٣/٦٦٩)

''حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ابوموسی اشعری اپنے گھر میں بیٹھے تو لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے، تو حضرت ابوموسی اشعری ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کرنے لگے، ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا، اللہ کے رسول! ابوموسی اشعریؓ کی ایک عجیب بات آپ کو بتاؤں، وہ ایک گھر میں بیٹھے ہیں، لوگ ان کے پاس جمع ہیں، اور وہ ان کو قرآن پڑھ کر سنا رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم مجھے بھی اس مجلس میں کسی ایسی جگہ بیٹھا سکتے ہو کہ کوئی مجھے نہ دیکھ سکے، اس شخص نے کہا کہ ہاں ضرور، آپ ﷺ چلے، اور اس شخص نے آپ ﷺ کو ایسی جگہ بیٹھا دیا جہاں سے آپ ﷺ کو کوئی نہیں دیکھ رہا تھا، آپ ﷺ نے ابوموسی اشعریؓ کی تلاوت کو سنا اور پھر (ازراہ تعریف) فرمایا یہ تو بالکل داود کے لحن اور ترنم میں پڑھتے ہیں'' اس حیثیت سے صحابہ کرام کے ذوق

کا اور مدرسہ نبوت کے مزاج کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ وہ کوئی بھی ایسا موقع جہاں وہ کچھ بھی تعلیم وتعلم کا کام کر سکتے تھے، ضائع نہیں کرتے تھے، مذکورہ بالا چند سطور سے بآسانی معلوم ہوسکتا ہے کہ عہد اول کا نظام تعلیم، ان کا شوق علم، ذوق وجستجو اور تعلیم وتعلم کا طریقہ کیسا تھا، وہ علم سیکھ کر اندھیروں کے دشمن اور جہالت کے باغی بن گئے تھے، ایک مختصر سی مدت میں اونٹوں کے چرانے والے گلہ بان، بوریہ نشیں، جہالت جن کا سرمایہ تھی وہ مدرسہ نبوت سے تربیت حاصل کر کے تہذیب کی شمعیں روشن کرنے والے، علم کے پیامبر، خودی کے عارف اور نور ہدایت کے علمبر دار و اساتذہ عالم بن گئے تھے۔ ''کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا''

نبوی نظام تعلیم کی خصوصیات

عہد اول کے نظام تعلیم پر اگر کوئی شخص بشرط انصاف غور وفکر سے کام لے گا، تو یہ اقرار کیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس سے بہتر نظام چشم فلک نے اب تک نہیں دیکھا ہے، موجودہ نظام تعلیم اور نبوی نظام تعلیم میں اتنا ہی بعد اور فرق ہے، جتنا کہ خود نبی کی ذات اور عام انسان میں، آج مغرب کا نظام تعلیم انسانوں کو علم کے نام پر ''مہذب جانور'' بنا دیتا ہے، انسان نے بیشک علم میں، نظام تعلیم میں، اور وسائل علم میں ترقی کے بہت سے میدان سر کر لئے ہیں، لیکن نتیجہ کیا نکلا ہے، صرف کھوکھلے نظریات وفلسفہ کا نام علم رہ گیا ہے، آج کے علم نے انسانوں کو ہواؤں کے دوش پر اڑنا، سمندروں کو چیرنا، پہاڑوں کو روندنا، اور خلاء کی سیر کرنا سکھا دیا ہے، دنیا کو سمیٹ کر ایک گاؤں یا بستی (Globel Village) بنا دیا، لیکن علم کی روح اور مقصدیت کو دفن کر دیا ہے، انسانیت سے نفرت بلکہ اسکی تباہی کے نت نئے وسائل کو وجود بخشا ہے، انسان کے جسم سے انسانیت وہمدردی، اخلاق وشرافت کو چوس لیا، اور خود غرضی، وانانیت، بے حیائی واخلاق باختگی کے جراثیم انجکٹ (Inject) کر دئے ہیں، علم تو وہ ہے جو روح کو سنوارتا ہے، جو دل میں تڑپ، جگر میں سوز، اور انسانیت کی محبت پیدا کرتا ہے، جو خالق کے نام سے شروع ہوتا ہے اور آفاق وانفس میں پھیلے ہوئے ربوبیت کے دلائل سمجھاتا ہے،، اور پوری زندگی کو بلکہ عالم کو اسی رنگ میں رنگنے، بچھڑے ہوئے لوگوں کا رشتہ ان کے معبود حقیقی سے جوڑنے پر آمادہ کرتا ہے، جسکے علمبر داروں میں جہالت

،تاریکی اور انسانیت کی مظلومیت کو دیکھ کر بے چینی اور دل میں خلش پیدا ہوتی ہے، جس نے انسانی دنیا میں علم کے نام پر قزاقی و بے رحمی کرنے کے بجائے عالم انسانیت میں رحم وکرم کے دریا بہادئے تھے، انسانیت کے باغ میں ایک ایسی بہار آئی تھی کہ اس کی خوشبو آج بھی مشام جاں کو معطر کردیتی ہے، آج علم سے روح نکل گئی ہے، الفاظ رہ گئے ہیں، سوز ختم ہوگیا، بے جان فلسفہ رہ گیا، جامعیت ختم ہوگئی اور محدودیت وتنگ نظری نے اس کی جگہ لے لی ہے، محبت والفت کا عنصر مفقود ہوگیا ہے ،اور خودغرضی ونفرت اور باہمی بغض وعداوت ،ذاتی منفعت واستحصالی مزاج پیدا ہوگیا ہے، نبوی نظام تعلیم کی مندرجہ ذیل امتیازی خصوصیات تھیں،

(۱) روح، علم کے اندر اس وقت ایک روح تھی ،علم بے جان لاش نہ تھا، اس کا اشارہ قرآن کے اس آیت سے ملتا ہے ''إنما يخشى الله من عباده العلماء ''علم ان کے اندر ایمانی اسپرٹ، سوز جگر، خشیت الٰہی اور جذبہ صدق ووفا پیدا کردیتا تھا، یہ اس علم ہی کا کمال تھا کہ ایک طرف محراب میں عابد وزاہد ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے، اور دوسری طرف مجاہدین سر بکف شوق شہادت میں چند کھجوریں کھانا بھی گراں سمجھتے تھے،

(۲) مقصدیت، نبوی نظام کی دوسری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس وقت تلامذہ میں علم کا مقصد زندہ تھا، ان کا علم، ان کی فکر، ان کی کاوش ومحنت کا محور صرف دو کف جو یا اسباب دنیا نہیں تھا، بلکہ ان کی شاہینی نظر میں بے مقصد یا کوتاہ مقصد علم وبال جان تھا، ان کے علم کا مقصد، غرض وغایت رضائے الٰہی کا حصول تھا، ان کا ہدف ٹوٹی ہوئی انسانیت کو مالک حقیقی سے جوڑنا تھا، انسانوں کو صراط مستقیم کی دعوت دیکر ہمیشہ کی جہنم سے بچانا تھا، وہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر توحید وبندگیٔ خدا کا درس دیتے تھے، انسانیت کو مذاہب کے ظلم وجور سے نکال کر عدل ومساوات کا حسین سبق سکھاتے تھے،

(۳) عمل وتطبیق، نبوی نظام کے اندر علم صرف فلسفہ اور نظریہ نہیں تھا، بلکہ انسان کی عملی زندگی سے اس کا گہرا ربط تھا، تعلیم دماغوں میں بھرا جانے والا فلسفۂ خشک نہ تھا، بلکہ عملی زندگی کی واقعاتی، جیتی جاگتی حقیقت تھا، جو سیکھتے تھے وہ زندگی میں نافذ کرتے اور برتتے تھے، انہیں ایک ایک آیت کے

ضمن میں اقوال اور استشہاد کے لئے اشعار ومفردات کے دواوین یاد نہ تھے، بلکہ وحی ربانی، واحادیث نبوی شب وروز کا لائحہ عمل تھا،

(۴) جامعیت، نظام نبوی کے پروردہ افراد نے زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی نمائندگی کی، صحرائے عرب کے بوریہ نشینوں نے روم وایران، مصروشام کو فتح کیا، یہ فتح معمولی ممالک یا عام سلطنتوں کی فتح نہیں تھی، بلکہ اس وقت کی متمدن دنیا کے سب سے بڑے نظام وتمدن، سیاست وتہذیب کی شکست تھی، ان عظیم فتوحات کے بعد پوری تاریخ میں ایک مثال نہیں ملتی کہ صحابہ نے زندگی کے کسی شعبہ میں دوسروں سے مدد لی ہو، ان کے پاس اس کے افراد نہ ہوں، نظام مملکت، سیاست انتظام، سماجیات واقتصادیات، دفاع وقضاء کون سا شعبہ زندگی تھا جس کے افراد ان فاقہ مست بوریہ نشینوں میں نہ تھے، انہوں نے زندگی کے ہر میدان میں ہر خلا کو پر کیا، ہر میدان میں قیادت کی، ان کی قیادت کے زیر سایہ عظیم تمدن وجود میں آیا، آج دنیا علم وتحقیق کی جس منزل پر ہے تاریخ گواہ ہے کہ یہ ان ہی بادیہ نشینوں اور مبارک نفوس کی کاوشوں کا نتیجہ ہے جو صرف علم وتحقیق کے ہی علمبردار نہ تھے، بلکہ انسانیت کے سالار قافلہ، اور خدا کی سرزمین پر ہدایت بشری کے حدی خواں تھے، خاکدان ارض پر خلافت ربانی کے نافذ کرنے والے تھے، ان کی آغوش محبت میں تاریخ کے معماروں نے تربیت پائی، نظام زندگی، اور تہذیبوں کے گیسوئے برہم کے پیچ وخم درست ہوئے، اقبال مرحوم نے اسی لئے کہا تھا،

وہ صحرائے عرب یعنی شتر بانوں کا گہوارہ　　　تمدن آفریں، خلاق آئین جہاں داری
بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا　　　سماں الفقر فخری کا رہا شان امارت میں
جہاں گیر وجہاں دار وجہاں بان وجہاں آرا　　　غرض میں تجھ سے کیا کہوں وہ صحرا نشیں کیا تھے

یہی خصائص ہیں جو ہمارے موجودہ نظام تعلیم میں غائب ہیں، آج کے نظام میں ان ہی چار الفاظ؛ روح، مقصدیت، جامعیت اور تطبیق وعمل کا فقدان ہے، جس کی وجہ سے علم وتمدن کے مرکزوں میں جاہلیت کے جراثیم پل رہے ہیں، آج کے متمدن اور علم کا دعوی کرنے والوں نے اپنے دامن سے جہالت کا داغ تو دھولیا ہے مگر افسوس کہ جاہلیت کے پنجوں سے نہ بچ سکے، ہر مفکر

اپنی فکر پر نازاں ہے، وہ اپنے گرد ثنا خوانوں اور مریدوں کو دیکھکر خوش ہوتا ہے، اگر اپنے حلقہ اثر میں اپنے سے اوپر کسی کو دیکھتا ہے تو بے چین ہو جاتا ہے، حسد کا شکار ہوتا ہے، یقیناً اس سے انکار نہیں کہ اہل مدارس نے دین کی بہت خدمت کی ہے، قابل ستائش ہے کہ آج ہر مسجد و گاؤں میں، ہر قریہ میں مدرسہ و مکتب کا نظام قائم کر دیا گیا ہے، لیکن ان گنت فارغین وفضلاء کی جماعت کے باوجود دنیا کس رخ پر جاری ہے، جہالت خصوصاً مسلمانوں کا مابہ الامتیاز کیوں ہے، حالانکہ صفہ نبوی کے چند تلامذہ نے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے کایا پلٹ کر دی تھی، یہ صرف نبوی نظام تعلیم سے دوری کا نتیجہ ہے، کہ ہم اپنے سرمایہ سے غافل پستی وشکست خوردگی کی زندگی گذار رہے ہیں، آج اگر یہ سوال کیا جائے کہ مدارس نے، ارباب حل وعقد نے فرض کفایہ کی تعلیم کا حق خوب ادا کیا ہے، فرض عین تعلیم - جس سے کوئی بھی کلمہ گو مستثنیٰ نہیں ہے - کے لئے ہمارے پاس کیا نظام ہے، اس کا جواب آج ہم فلسفیانہ گفتگو کے ذریعہ دے سکتے ہیں، لیکن یہ سوال پتھر کی طرح ایک سنگین حقیقت ہے جس سے کوئی مفر نہیں، تعجب کہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں کہ ہم نے حق ادا کر دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جہالت کے اندھیروں اور طوفانی موجوں میں ہماری بادبانی کشتی ہمیں پار نہیں لگا سکتی، اہل علم مدارس کی چہار دیواری کے اندر بیٹھ کر چند کتابوں کے متون پڑھا کر صرف قیل وقال کی دنیا میں مگن ہیں، انہیں باہر کی کوئی فکر نہیں، انہیں نہ مسافروں کے بے کسی و بے بسی کا علم ہے، اور نہ طوفان کی خبر، نہ کشتی کی شکستہ حالی سے واقف ہیں نہ ہی خطرات سے آگاہ، ہمارا فرض ہے کہ نبوی علم کے چشمہ فیاض سے دنیا کو سیراب کریں، ہمارے پاس ایسا نظام مرتب ہو جس سے ہر فرد مستفید ہو، معاشرے کے ہر طبقہ میں علم نبوی کا فیض عام ہو، افسوس کہ یہ حالت صرف نظام نبوی سے دوری کا نتیجہ ہے، ہمیں اعتراف ہے کہ اہل مدارس نے واقعی دین کی خدمت کی ہے، قابل ستائش لائق شکر ہیں وہ لوگ، نیز اگر علم کا تقدس اور کچھ قدر و منزلت ہے تو وہ بھی صرف مدارس میں ہی ہے، اس کی بھی وجہ ظاہر ہے کہ یہ صرف تعلیم نبوی سے انتساب کا نتیجہ ہے، لیکن جو فرض تھا وہ واقعی ابھی ادا نہیں ہوا ہے، ہمیں اپنے آپ کو، اپنے نظام کو نبوی نظام تعلیم سے ہم آہنگ کرنا چاہئے،

آنحضرت ﷺ کے اس تعلیمی انقلاب کے نتیجہ میں جو مسلمانوں کا علمی ذوق ومزاج، ان کی خدمات وکارنامے، ایجادات واکتشافات، علم دوستی سامنے آئی، وہ تاریخ انسانی کا حیرت انگیز ذریں باب ہیں، ان کی علم دوستی کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی، ان کا شوق علم وتحقیق وارفتگی وعشق کی صورت اختیار کر گیا تھا، بقول شخصے:

''رسول اللہ ﷺ کی ہدایات وتعلیمات کی بدولت مسلمانوں میں ایک وسیع عملی تحریک پیدا ہوگئی، جس کا تفصیل سے ذکر مسلم مؤرخین نے کیا ہے، اور غیر مسلم مؤرخین اس کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے، انگلستان کے ایک مؤرخ ''رابرٹ بریفالٹ'' لکھتے ہیں، کہ اس امر کی نہ کوئی مثال پہلے موجود تھی، اور نہ اب تک ہے کہ کسی وسیع سلطنت کے طول بلد وعرض بلد میں حکمراں طبقے اتنے بڑے پیمانے پر حصول علم کی مجنونانہ خواہش سے سرشار ہوگئے ہوں، خلفاء، امراء اپنے محلوں سے اٹھ کر کتب خانوں اور رصد گاہوں میں جا گھسے ہوں، اہل علم کے خطبات کو سنتے اور ان سے مسائل ریاضی کے متعلق سوالات کرنے میں ہرگز کوتاہی نہیں کرتے، مسودات اور مخطوطات اور نباتی نمونوں سے لدے ہوئے کارواں بخارا سے دجلہ تک رواں دواں رہتے، کتابوں اور معلموں کے حصول کی خاطر قسطنطنیہ اور ہندوستان کو خاص سفیر بھیجے جاتے تھے، کسی سلطنت سے تاوان جنگ وصول کرنے کے سلسلے میں یونانی مصنفین یا کسی ممتاز ریاضی داں کی تصنیف حاصل کرنے کا مطالبہ کیا جاتا تھا، ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ ملحق ہوتا تھا، وزراء سلطنت کتب خانوں کے قیام، مدارس کے لئے اوقاف کے انتظام، اور غریب طلباء کے لئے وظائف کے اہتمام میں رہتے آقاؤں سے بھی بڑھ جانا چاہتے تھے، اہل علم کو بلا امتیاز نسل ومذہب دوسرے سب لوگوں پر فوقیت دی جاتی تھی، وہ صوبوں کے گورنر تک مقرر کر دئے جاتے تھے، جب خلفاء کسی سفر یا مہم پر ہوتے تو اہل علم کا ایک گروہ اور کتابوں سے لدے ہوئے اونٹوں کی ایک قطار ہمراہ ہوتی تھی'' (فکر ونظر سیرت نمبر ۱۹۷۶ء ص ۱۰۸)

ظاہر ہے کہ یہ اسی ذوق کی نمود تھی جس کا تخم محمد عربی ﷺ کے دست بابرکت نے لگایا تھا، یہ سب اسی انقلاب کی بازگشت تھی جس کی ندا یثرب کے پیغمبر نے لگائی تھی، عہد نبوی کے بعد

خلفاء راشدین اور پھر بالخصوص عباسی اندلس کے امراء کے عہد میں مسلم علماء وحکماء، فلاسفہ اور دانشوروں نے علوم کے تمام شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دئے، بلکہ نئے علوم دریافت کئے، جس سے اقوام عالم نے استفادہ کیا، یورپ نے فائدہ اٹھایا، اور آج تک اٹھارہے ہیں، کون نہیں جانتا کہ دنیا علم وتحقیق اور ایجادوا کتشاف کی منزل پر ہے یہ سب انہی نفوس کی جدوجہد کا نتیجہ ہے جو انسانیت کیلئے علم واخلاق کے جامع پیامبر تھے، علم وتحقیق کا یہ سفران حدی خوانوں کی نغمگی ونوائے شوق کے زیر سایہ طے ہوا ہے جنھوں نے صحراء عرب سے معلم انسانیت کی ہمرکابی میں پوری دنیا کو رشد وہدایت سے ہمکنار کرنے کے لئے قدم نکالا تھا، کاش کہ آج ہم اپنی عظمت رفتہ اور تاریخ ماضی کی ان حسین یادوں کو پھر سے واپس لاسکیں، اور علم وجستجو، تعلیم وتربیت کو اسی رنگ وآہنگ، انہی بلند مقاصد، اہداف وغایات، جذبہ وروح کے ساتھ بیدار کرسکیں، دنیا کی ترقی اور انسانیت کا عروج، تہذیب وتمدن کا ارتقاء سب محمد عربی ﷺ کے نقش پا سے وابستہ ہے:

سبق ملا ہے معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

ثریا سے زمیں پر آسمان نے ہم کو دے مارا:

ہماری تاریخ اس کی شاہد ہے کہ جب ہم صحیح اسلامی نظام سے وابستہ تھے، علم کی حقیقی روح سے آشنا تھے، علوم کی جامعیت کے تصور سے اچھی طرح نہ صرف یہ کہ واقف تھے، بلکہ تسخیر کائنات کے رازوں کو سمجھتے تھے، اور انسانی وتجرباتی علوم سے واقف تھے، ہم ہی دنیا کے امام تھے، مگر جب تجرباتی علوم سے ہمارا رشتہ ختم ہوگیا، اور دین ودنیا کے تفریق کے نام پر ہم ان علوم سے دست بردار ہوگئے، یا یوں کہئے کہ عیار قوموں نے سازش کے تحت ہم کو ان علوم وفنون سے کاٹ دیا، اسلام کے ہمہ گیر وجامع تصور علم کو محدود کردیا گیا، تو ہمارا ستارۂ اقبال گردش میں آگیا، ہم دیگر مغرب دست نگر بن گئے، اور جس اسلام نے زندگی کے ہر گوشہ میں فرمانروائی کی تھی، جس کی ضیا پاشیوں سے تاریخ کا ہر ورق منور تھا، جس نے روم وایران کی متمدن سلطنتوں کا انتہائی معقول متبادل نظام پیش کیا تھا، جس نے ستاروں پر کمندیں ڈالیں تھیں، جس کی دانش گاہ سے علم تفسیر وحدیث، فقہ وقانون کے ماہرین کے علاوہ رازی، وکندی، فارابی وزہراوی، ابن سیناء والخوارزمی

پیدا ہوئے تھے، وہ اسلام اور اس کا ہمہ گیر نظام منبر ومحراب، اور مسجد ومدرسہ کی چہار دیواری میں یکا یک محدود ہو گیا، انسانی زندگی کے دیگر شعبے اور علوم وفنون اسلامی نگرانی سے آزاد ہو گئے، اور خدا ناشناس ہاتھوں میں چلے گئے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کی نمائندگی کرنے والے افراد اور اداروں میں جمود وتعطل، بے ہمتی واحساس کہتری، ضعف واضمحلال اور محدودیت پیدا ہوتی چلی گئی، بلکہ مغرب کی آقائی تسلیم کرنے کا مزاج اور غلامانہ ذہنیت جڑ پکڑ گئی، اور ''دنیاوی علوم'' کے نمائندے ہر قید سے آزاد اخلاق وانسانیت کی تخریب کرنے لگے، انہوں نے علوم وفنون کی آبرو سے کھلواڑ کیا، اور تعلیم کے نام پر تجارت کی، اور انسانیت کے چمن پر خزاں بن چھا گئے، کون اس حقیقت سے ناواقف ہے کہ مغرب کی قیادت کے اس عہد میں نظام تعلیم کے حصے بخرے کرنے کے بعد انسانیت کی کیسی رسوائی اور اخلاق وکردار کی کیسی بے آبروئی ہوئی ہے، یہ انسانیت کی شقاوت ومحرومی ہے کہ یورپ کا عروج اور مغرب کا اقبال ہمارے زوال کے مساوی رہا ہے، ہم انحطاط کے گڑھے میں گرے اور یورپ نے اپنی قیادت کا اعلان کیا، ہماری متاع عزت واقبال لٹی، اور یورپ نے تاج امامت اپنے سر پر رکھا، آج موجودہ زمانہ ہماری شوکت وعظمت اور فیروز بختی کی تاریخ کا تصور بھی نہیں کرسکتا، ہماری قیادت میں نسل انسانی نے کس آرام وسکون سے زندگی بسر کی ہے، اب اس کا اندازہ لگانا موجودہ نسل کے مشکل ہے، ہماری تاریخ کو مسخ کیا گیا، علوم وفنون پر رہزنی کی گئی، تہذیب وتمدن کو بگاڑا گیا، اور اقوام عالم نے ایک مجرم کی طرح ہمارے کردار کو پیش کیا ہے، حالاں کہ تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ دنیا کی قسمت، انسانیت کی آبرو، تہذیب وتمدن کی نقش آرائی جو ہم نے کی تھی، امن وانصاف، عدل ومساوات کے گلستاں کھلائے تھے، کبھی چشم فلک نے اس سے حسین نظارہ نہیں دیکھا تھا،

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی   ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ ایک عارضی شے تھی   نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا

کچھ گذارشات اور کرنے کے کام:

عہد نبوی اور معلم انسانیت کے اس نظام کے مختصر جائزہ کے بعد چند گذارشات پیش

خدمت ہیں، اس کی روشنی میں ہمیں پورے انصاف کے ساتھ جائزہ لینا چاہیے کہ ہمارے موجودہ نظام تعلیم کا کیا نقص ہے، ہم عہد نبوی کے اس نظام کی روح، مقصدیت، جامعیت، اور حیات انسانی کے لئے اس کی رہنمائی ودست گیری سے کتنی دور جا چکے ہیں، ہم نے علم کی وسعتوں کو اپنے ذوق ومزاج کے کن سانچوں میں ڈھال کر ایک ایسی شکل تراشی ہے جو نظام نبوی اور عہد اول کے ذوق سے ہم آہنگ نہیں ہے، عجیب بات ہے کہ آج ہمارے ارباب فکر ودانش نصاب تعلیم میں محض دین ودنیا کی غلط وغیر منصفانہ تقسیم کے قائل ہی نہیں، بلکہ اپنے اپنے نظاموں اور ذوق ومزاج کے تحت اس کے مقدس ہونے کے مدعی ہیں، اس میں کسی ترمیم اور غور خوض کے منکر ہیں، ہماری اس غیر شرعی اور غلط تقسیم سے نہ صرف کہ یہ پوری ملت دو خانوں میں تقسیم ہوگئی، دو حریفانہ ذہنیت کے فریق بن گئے، بلکہ مسلمانوں کی علمی پیش رفت، ان کی ترقی وعروج کی بساط لپیٹ دی گئی، ستاروں پر کمندیں ڈالنے کا حوصلہ رکھنے والی قوم یک لخت حاشیہ برداروں میں شامل ہوگئی، ہم یہ بھول گئے کہ خدائی نظام، دین وشریعت کی تطبیق کا میدان یہی دنیا ہے، جہان رنگ وبو کی تعمیر، اور خدا کے منصوبے کے مطابق خلافت ارضی کی نقش آرائی کے لئے ہمیں ہی ذمہ داری دی گئی ہے، انبیاء کی تعلیمات، اور صحائف مقدسہ ہدایت انسانی کا گنجینہ اور حکمت وبصیرت کا خزانہ ہیں، تو کائنات کا ہر ذرہ خدا کی خلاقیت وربوبیت کی دلیل اور اس کی عظمت کا نشان ہے، جو ہر قلب بینا اور حقیقت پسند کے لئے کھلی دعوت ہے، ذروں کا جگر چیریں یا آفاق کی سیر کریں، شبنم کی نازکی دیکھیں یا آبشاروں کا حسن وجمال، پھول کی پتی کا مشاہدہ کریں یا پہاڑوں کی صلابت پر غور کریں، سمندروں کی طغیانی کا جائزہ لیں یا صحراؤں کی وسعت پر نظر کریں، ہر ایک خدا کی ربوبیت کا عالم، اس کی شہنشاہیت کا شاہد، اس کی عظمت کا نشان، اور حسن تدبیر کا عکس ہے، اسی نور مجسم کا جلوہ اور اس کی قدرت کی نمود ہے،

یہ دنیا دعوت دیدار ہے فرزند آدم کو یہاں ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوق عریانی

تو یہ کیسے ممکن ہے دین وشریعت سے خدا کی صفات کے مظاہر کو کاٹ دیا جائے، دین و دنیا کی تقسیم سے دین وشریعت کی دانش گاہیں الگ، اور کتاب کائنات ومظاہر فطرت کو سمجھنے کے

ادارے الگ کردئے جائیں، نصوص شریعت اور کتاب ہدایت کے کچھ مسائل کو جاننے والے ''عالم'' کہلائیں اور کائناتی وانسانی علوم کو شریعت کی قید سے آزاد ہوکر جاننے والے بے دین وملحد ہوکر اپنی دنیا الگ بسائیں،، عصر حاضر کی بیشمار مشکلات بلکہ بساط عالم پر اہل اسلام کی زبوں حالی کا ایک بہت بنیادی سبب دین ودنیا کی وہ تقسیم ہے جو ما قبل اسلام کی جاہلیت کا شیوہ تھا، آج سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ ہمارے ارباب فکر ودانش اور علماء اس تفریق کو ختم کرنے کی کوشش کریں، اسلام کے علمی نظریہ کو اس کے وسعتوں اور ہمہ گیری کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں، ایک ایسا جامع نظام تعلیم بنائیں جو زندگی کے ہر شعبہ کو ربانی قالب میں ڈھالنے کا ضامن ہو، جس کے تربیت یافتہ افراد انسانیت کے ہر شعبہ کی قیادت کے اہل ہوں، جس کے ذریعہ علم وفن کی ہر شاخ دین کے تناور درخت کا ایک جزء معلوم ہو، دو دھاروں میں بکھری امت متحد نظر آئے، تب جاکر انسانی قافلہ اور حیات انسانی کا ہر شعبہ اسلام کی رہنمائی کے تابع ہوگا، اور اسلام ایک قدامت پسند محدود نظریہ نہیں بلکہ ہر دور کی قیادت ورہنمائی کا اہل ثابت ہوگا، پوری دنیا محسوس کرے گی کہ اسلام کی رہنمائی کے بغیر دنیا کی قسمت کے فیصلے ادھورے ہیں، اس کے بغیر انسانی دنیا نہ منزل کو پاسکتی ہے، نہ عدل ومساوات، اطمئنان وسکون حاصل کرسکتی ہے،

ایک بہت بڑا نقص یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ایک متعین مدت تک خاص نصاب تعلیم اور کتابوں کو پڑھا کر ''عالم'' بنانے کے نظام کا نام دینی نظام تعلیم رکھا ہے، طلبہ کی ایک جماعت کو شرعی علوم کے بعض حصوں کو پڑھانا اسلامی نظام تعلیم نہیں ہے، اس کے ذریعہ تو صرف معاشرہ کا ایک خاص طبقہ متعینہ مقدار میں شرعی نصاب پڑھتا ہے، اس کے علاوہ معاشرہ کے تمام طبقات شرعی علوم سے محروم رہتے ہیں، حالاں کہ اسلام کا حکم ہے کہ ضروری شرعی علم سیکھنا ہر مسلمان مرد، عورت پر فرض ہے، اس سے کوئی چھٹکارہ نہیں، گذشتہ صفحات میں اس کی تفصیل آچکی ہے، ہمارے مدارس نے اپنی خدمات کے باوجود اس ترتیب کے مطابق کوئی نظام نہیں مرتب کیا ہے، ضرورت اس بات کی بھی ہے اہل فکر ودانش، ارباب علم ایسے ادارے قائم کریں، ایسا نظام تعلیم مرتب کریں، جس کے ذریعہ معاشرہ کے مختلف طبقات کے افراد بنیادی شرعی علوم اور مسائل سے واقف ہوں،

ڈاکٹر،انجینئر، جج، وکلاء، تجارت پیشہ افراد، امیر، غریب، غرض تمام شعبہ ہائے زندگی سے منسلک افراد اپنے اپنے کاموں سے وابستہ رہتے ہوئے بنیادی شرعی مسائل اور علوم حاصل کرسکیں، قرآن کی تلاوت کرسکیں، عقائد، طہارت، عبادت، اور معاملات زندگی سے متعلق احکام وفرائض سیکھ سکیں، اوران تمام امور سے واقف ہوسکیں جن کا ایک شخص بحیثیت مسلمان مکلّف ہے، یہ وقت کی انتہائی اہم ضرورت ہے، اور ایک بہت بڑا اخلاء ہے،

ایک اور انتہائی اہم کام یہ ہے کہ علم کا صحیح شعور، اس کی مقصدیت واضح کی جائے، اور یہ ببانگ دہل بتایا جائے کہ علم، تعلیم وتعلم کوئی پیشہ، ہنر یا ذریعہ معاش نہیں ہے، وہ منڈی کا بکاؤ مال نہیں ہے، بلکہ زندگی گذارنے کی صحیح رہنمائی، اور سلیقہ کا نام ہے، علم اس زیور کا نام ہے جس کے بغیر انسان انسان نہیں بلکہ ایک جانور ہے، آج علم کی مقصدیت فوت ہوچکی ہے، علم ایک تجارت بن گیا ہے، اس کی حقیقی معنویت سے انسان عاری ہوگیا ہے، آج خالص مادی نظامہائے تعلیم اور اداروں نے انسان کو جملہ اخلاقی اقدار سے آزاد ایک پیشہ ور حیوان بنا دیا ہے، جو صرف مادیت کے لئے جیتا اور صبح وشام مادیت کے نت نئے بت تراشتا ہے، اور اس کی قربان گاہ پر ہر چیز بے جھجک چڑھاتا ہے، ضرورت ہے کہ آج اس مفقود شعور کو بیدار کیا جائے کہ علم کوئی پیشہ یا ہنر نہیں ہے، بلکہ انسانی زندگی کی شاہ کلید، زندگی کے صحیح سلیقہ، اعلی اخلاقی اقدار وروایات، حیات انسانی کی نجات کے اصولوں کو جاننے کا نام علم ہے،

یہ کام تب ہی ممکن ہے جب ہم عہد نبوی کے نظام وروح سے اپنے نظام کو مربوط وہم آہنگ کریں، نصاب تعلیم کی دوئی اور ثنویت کا خاتمہ کریں، اور ایسا نظام مرتب کریں جس میں معاشرہ کوکوئی فرد، زندگی کے کسی شعبہ سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص بنیادی شرعی تعلیم سے محروم نہ ہو، جب تک ہمارے ارباب علم ودانش اور اصحاب فکر اس کی جانب توجہ نہیں کریں گے، اور نصاب تعلیم کی تبدیلی ونظام تعلیم پر غور وخوض کی ہر دعوت کو اپنے نظامہائے تعلیم میں رخنہ اندازی سمجھتے رہیں گے، سنجیدگی سے سوچنے کے بجائے اپنی روایت پرستی پر قانع رہیں گے، اس وقت تک یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا، اللہ تعالی سے دعا ہے وہ اہل اسلام کی عظمت رفتہ اور کھوئے ہوئے قائدانہ کردار کو زندہ فرمائے، **وما ذلك على الله بعزيز**

کچھ کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں

''برادر عزیز مولوی مجیب الرحمان سلمہ کو اللہ تعالی نے نور بصیرت عطا فرمایا ہے، قریبی دور کے فارغین مدارس، اور نوجوان علماء میں وہ بہت ممتاز ہیں، ان کو علم میں رسوخ حاصل ہے۔ اور زبان وقلم کی فصاحت وبلاغت بھی، وہ دین وشریعت کے مقاصد سمجھتے ہیں اور حالات حاضرہ پر اچھی نگاہ رکھتے ہیں۔ اور اظہار حق کیلئے وہ بیباکی رکھتے ہیں، جس کا اس دور میں لگتا ہے کہ چلن ختم ہوگیا ہے، آج کے سلگتے مسائل پر ان کے قلم سے مدلل اور شعلہ بار تحریریں نکلی ہیں، تعلیم کے موضوع پر بھی یہ تحریر چشم کشا، بصیرت افروز، انقلابی تحریر ہے''۔

حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی، دامت برکاتہم

''فاضل مصنف نے اس جامع ومختصر رسالہ میں عہد نبوی کے نظام ونصاب تعلیم کی جامعیت، کمال، خصوصیات اور تمام فروعی متعلقات کو تقریبا سمیٹ لیا ہے، انھوں نے اس عہد مبارک کے نظم وانتظام، طریقۂ کار، انداز تربیت، ذوق وشوق، وضع وہیئت کا اہتمام، مقصد تعلیم، تعلیم نسواں کے ساتھ ساتھ حسب ضرورت نصاب تعلیم میں تبدیلی کے عمل پر روشنی ڈالی ہے، آخر میں نبوی نظام تعلیم کی خصوصیات کو انتہائی معجز اسلوب میں بیان کیا ہے اور پھر یہ بھی رہنمائی کی ہے کہ نور نبوت کے اسوۂ تعلیمی کو سامنے رکھ کر ہم کس طرح عملی تطبیق دے سکتے ہیں، کس طرح اس انتہائی اہم اور نازک مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں یقیناً ان کی یہ کتاب جمود کے دروازے پر انقلاب کی دستک ہے، روایتی ذہن کے لیے اس میں غور وفکر کا سامان ہے، مجیب صاحب اس فاضلانہ تصنیف کے لیے صد ہزار شکریہ کے مستحق ہیں، خدا کرے کہ ان کی یہ کوشش نئی صبح کے طلوع کا نقطۂ آغاز ثابت ہو''۔

ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی

مدیر، ماہنامہ ندائے اعتدال۔علی گڑھ

ناشر: ادارہ تحقیق وفکر اسلامی، سنبھل